یا اللہ مدد — اصلی کلمہ اسلام: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ — حق چار یار





اکابرین دیوبند بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

مجلہ صفدر

بانی: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ

سرپرست: حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ

109-110

مارچ، اپریل 2020 — رجب، شعبان ۱۴۴۱ھ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ذکر اللہ کے سوا بہت کلام مت کیا کرو، کیونکہ ذکر اللہ کے خلاف بہت کلام کرنا قلب میں سختی پیدا کرتا ہے اور سب سے زیادہ اللہ سے دُور وہ قلب ہے جس میں سختی ہو۔ [ترمذی]

اخیر کی تین حدیثوں کا مجموعی حاصل یہ ہے کہ اصل صفائی اچھے عملوں سے ہوتی ہے اور سختی برے عملوں سے، اور دونوں عملوں کی جڑ قلب کا ارادہ ہے، اور ارادہ کی جڑ خیال ہے، جب ذکر میں کمی ہوتی ہے تو شیطان برے برے خیال قلب میں پیدا کرتا ہے، جس سے برے ارادے کی نوبت آجاتی ہے۔ اور نیک ارادوں کی ہمت نہیں رہتی، پس نیک کام نہیں ہوتے، برے ہونے لگتے ہیں۔ اور جب ذکر کی کثرت ہوتی ہے تو برے خیال قلب میں پیدا نہیں ہوتے، پس بُرا ارادہ بھی نہیں ہوتا اور گناہ بھی نہیں ہوتے، اور نیک کام ہوتے ہیں۔ اس طرح سے صفائی روشنی قلب میں پیدا ہو جاتی ہے مگر یہ باتیں خود بخود نہیں ہوتیں، کرنے سے ہوتی ہیں۔ اگر کوئی خالی ذکر کیا کرے اور نیک کاموں کے کرنے کا اور برے کاموں سے بچنے کا ارادہ اور ہمت نہ کرے وہ دھوکے میں ہے۔ [کتاب ''ذکر اللہ کے حلقے'' کا تحقیقی جائزہ: ۴۲]

ترجمان: دار المطالعہ مظہریہ سوہدرہ

0312-4612774 0334-4612774

khadim.khan4@yahoo.com

یا اللہ مدد — حیات النبی ﷺ زندہ باد — شان رسالت ﷺ زندہ باد — اصلی کلمہ اسلام: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ — شان صحابہؓ زندہ باد — مقام امام اعظم ابوحنیفہؒ زندہ باد — حق چار یار

اکابرین دیوبند بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے افکار ونظریات کا بے باک ترجمان

مجلّہ صفدر

بفیضان
مظہر شریعت وطریقت قائد اہل سنت وکیل صحابہؓ
حضرۃ مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید وخلیفہ مجاز شیخ العرب والعجم حضرۃ مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

بیاد
محدثِ عرب وعجم آبروئے دیوبند امام اہل السنۃ والجماعۃ
شیخ الحدیث حضرۃ مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی — خلیفہ امام الموحدین حضرۃ حسین علی نور اللہ مرقدہ — مجاز: رئیس المفسرین مولانا

مفسر قرآن ولی کامل حضرۃ مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتی نور اللہ مرقدہ	فقیہ العصر ترجمان دیوبند حضرۃ مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ
شیخ المشائخ امام الاولیاء حضرۃ مولانا خواجہ خان محمد نور اللہ مرقدہ	فخر اہل سنت وکیل صحابہؓ حضرۃ مولانا عبد اللطیف جہلمی نور اللہ مرقدہ
حکیم العصر شہید اسلام حضرۃ مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ	امین ملت مناظر اسلام حضرۃ مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی نور اللہ مرقدہ
پاسبان مسلکِ احناف شیخ الحدیث حضرۃ مولانا محمد حنیف نور اللہ مرقدہ	ترجمان مسلکِ دیوبند مولانا نور محمد تونسوی نور اللہ مرقدہ
وکیل صحابہؓ حضرۃ مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید نور اللہ مرقدہ	جانشین شہید اسلام محقق العصر حضرۃ مولانا سعید احمد جلالپوری شہید نور اللہ مرقدہ

بدعا: وکیل صحابہؓ حضرۃ مولانا عبد الستار تونسوی نور اللہ مرقدہ — حکیم العصر شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبد المجید لدھیانوی نور اللہ مرقدہ

سرپرست
پیر طریقت شیخ الحدیث
حضرۃ مولانا حبیب الرحمٰن سومرو صاحب حفظہ اللہ

نگران
وکیل احناف مناظر اسلام
حضرۃ مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی صاحب حفظہ اللہ

مدیر اعلیٰ	مدیر مسئول	مدیر
مولانا جمیل الرحمٰن عباسی	مولانا احسن خدامی	حمزہ احسانی
0301-7790908	0320 4902150	0307-5687800

فی شمارہ: 70......زر سالانہ: 400 روپے

برائے رابطہ: احسن خدامی، مکان نمبر 4، گلی نمبر 82 محمود سٹریٹ، محلہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور

ترتیب

وفیات: حضرت امام اہل سنتؒ کے داماد حافظ محمد شفیق رحمہ اللہ......مولانا عبد اللطیف جہلمیؒ کی صاحبزادی رحمہا اللہ......مولانا صوفی عبد الحمید سواتیؒ کے داماد کے والد مولانا عبد الحق اعوان رحمہ اللہ.....مولانا فیاض خان سواتی کے خالو محترم حافظ عبد الکریم رحمہ اللہ...... جانشین حافظ الحدیث مولانا فداء الرحمٰن درخواستی رحمہ اللہ......مولانا منظور نعمانی کے فرزند مولانا ساجد نعمانی رحمہ اللہ......مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی کے بھتیجے مولانا عتیق الرحمٰن رحمہ اللہ...... مولانا قاری قیام الدین الحسینی کے بھائی مولانا قاری غلام مصطفیٰ قاسمی رحمہ اللہ......مولانا حبیب الرحمٰن سومرو کے استاذ سائیں حافظ خان رحمہ اللہ......مولانا سید امین شاہ رحمہ اللہ کی صاحبزادی رحمہا اللہ...... جناب عبد الغفور المعروف طالبان کے بھائی سیٹھ اسلم سومرو رحمہ اللہ......مولانا جمیل الرحمٰن عباسی کے ماموں احمد خان عباسی رحمہ اللہ ......مولانا الیاس رحمہ اللہ کی ہمشیر، مولانا حافظ رشید احمد الحسینی کی پھوپھو محترمہ رحمہا اللہ......مولانا قاری محمد حسن عباسی رحمہ اللہ......حافظ محمود حسن (مٹھا) صاحب کی تائی محترمہ رحمہا اللہ......حضرت حکیم محمد اختر رحمہ اللہ کے خلیفہ مولانا قاری نور محمد رحمہ اللہ......کوئٹہ بم دھماکے کے شہداء کرام رحمہم اللہ...... کپتان غلام محمد صاحب کے والد حاجی غلام حیدر رحمہ اللہ......مدرسہ حیات النبی گجرات کے خادم حاجی عارف صاحب کی اہلیہ رحمہا اللہ......جامعہ مظہریہ کے طالب علم عبد المجید کے والد سیٹھ عبد السلام سومرو رحمہ اللہ...... جناب ماسٹر محمد سخی کی صاحبزادی رحمہا اللہ

قارئین سے مرحومین کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔

پیام صفدر　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　مدیر کے قلم سے

چند انتہائی قابل توجہ مسائل......اور اُن کے سدِ باب کی ضرورت

حقیقتِ فدک / یوم وفات قائد اہل سنت رحمہ اللہ......قبلہ اول / یوم یکجہتی کشمیر

آن لائن تدریس قرآن اور کلما کی طلاق......حضرت نعمانی مدظلہم کو پے درپے صدمات

حضرت امام اہل سنت کے فرزند نسبتی حافظ محمد شفیق رحمہ اللہ کا سانحہ ارتحال

بسم اللہ الرحمن الرحیم. نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم، أما بعد!

بیت المقدس اور کشمیر کے حوالے سے امتِ مسلمہ کے حقوق وجذبات،......فدک اور عرس کے حوالے سے مسلکِ اہل سنت کے مسلمات......اور خدمتِ قرآن کے نام پر نہ صرف ہماری روایات بلکہ شرعی حدود وقیودات......کو جس طرح پامال کیا جارہا ہے اس پر ہمارے دِل غمزدہ اور ہاتھ بارگاہِ الٰہی میں دعا کے لیے بلند ہیں۔ نیز بعض جانے والوں کے صدمات سے بھی قلب حزین وغمگین ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ اس حوالے سے دردِ دل قارئین صفدر کی خدمت میں پیش ہے۔ **واللہ الھادی**

حقیقتِ فدک

مورخہ ۲۸/جنوری ۲۰۲۰ء کو سیفی علی خاتون نے ''اَب تک نیوز'' چینل پر دریدہ دہنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا:

''میں یہاں پہ ضرور ایڈ کروں گی کہ: مجھے اکثر لوگ کہتے ہیں: میڈم! انصاف نہیں ملتا۔ میں کہتی ہوں: قیامت تک ملے گا بھی نہیں! وجہ ہے اس کی، بہت بڑی وجہ ہے۔ کیونکہ نا اِنصافی اور ہماری جوڈیشلی کا بیڑہ غرق اُس دن ہوگیا تھا جس دن فاطمہ زہرا علیہا السلام انصاف لینے کے لیے دربار گئیں، اور اُن کو انصاف نہیں ملا، اور نعوذ باللہ اُن کو جھٹلایا گیا، اُن کی گواہی کو۔ یہ جوڈیشلی تو اس دن ہی بیڑہ غرق ہوگئی تھی۔ اَب میرے پہ چاہے فتویٰ لگادیں یا جو مرضی کرلیں۔''

فدک سے متعلق روافض کی خودساختہ کہانی:

مذکورہ بالا کلمات سے فدَک کے قصہ کی طرف اشارہ ہے، جس کے متعلق اہل تشیع کا خیال ہے کہ:

''علاقہ فدک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی اور شخصی ملکیت تھا، جو آپ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں ہی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو ہبہ کردیا تھا، وفاتِ پیغمبر تک اُنہیں کے ہاتھوں میں رہا اور بعد میں حضرت فاطمہؓ کے وکیل یا وکلاء کو وہاں سے بے دخل کرکے خلیفہ وقت ابوبکرؓ نے وہ چھین لیا۔ یا آپؐ کے بعد وراثت کے طور پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حق تھا، کیونکہ مال وجائیداد میں امتیوں کی طرح انبیاء کی

وراثت بھی جاری ہوتی ہے۔ آقا علیہ الصلوۃ والسلام کی وفات کے بعد سیدہ فاطمہؓ نے اپنے شوہر نامدار حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: آپ جا کر میرے اس حق کا مطالبہ کریں، مگر اُنہوں نے انکار کر دیا۔ اس پر سیدہؓ، حضرت علیؓ سے خوب ناراض ہوئیں۔ پھر پہلے ایک قاصد کے ذریعہ خلیفۂ وقت سے جاگیر فدک اور خمسِ خیبر وغیرہ کا مطالبہ کیا، بعد ازاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دسویں روز اپنا حق وصول کرنے خود دربارِ صدیق میں پہنچیں، اور اپنے حق کی حوالگی کا مطالبہ کیا کہ حضورؐ نے مجھے ہبہ کر دیا تھا، لہٰذا میرے حوالے کیا جائے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے گواہی کا مطالبہ کیا، سیدہؓ نے اپنی طرف سے ایک مرد ایک عورت کی گواہی پیش کی، مگر نصاب پورا نہ ہونے کا عذر کر کے اسے قبول نہیں کیا گیا۔ پھر سیدہ نے کہا: کم از کم میں وارث تو ہوں ہی۔ اس لیے ضرور ملنا چاہیے۔ تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اُن کو من گھڑت حدیث سنائی کہ: آپ کے والد نے درہم و دینار کو میراث نہیں بنایا۔ اور یہ فرمایا کہ: ''انبیاء (کے مال) کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔'' اور واپس بھیج دیا گیا۔ بلکہ دھکے دے کر دربار سے نکال دیا گیا۔ بعد میں عوامی خطبہ کے دوران صدیق اکبرؓ نے نبی کریم کا ارشاد سنایا کہ: ''ہم انبیاء کی جماعت کا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔'' (اور یہ حدیث صرف ابوبکرؓ ہی کو معلوم تھی)

گھر جا کر سیدہؓ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سخت ناراض ہوئیں کہ: ہمارا حق مارا گیا اور آپ یہاں گھر بیٹھے ہیں۔ اور خوب گلہ شکوہ کیا۔

پھر صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما سیدہؓ کو راضی کرنے اور منانے سیدہؓ کے گھر پہنچے اور راضی کرنے کی کوشش کی۔ سیدہؓ نے سلام کا جواب تک نہیں دیا اور کہا: میں غضبناک ہوں اور تمہارے اِس عمل سے خدا اور رَسول بھی ناخوش ہیں۔ میں بابا سے تمہاری شکایت کروں گی۔ کیا تم نے یہ حدیث نہیں سنی: ''فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، اسی کی رضامندی میری رضامندی ہے اور اس کی ناراضگی میری ناراضگی ہے۔''؟ میں ہر نماز میں تمہارے لیے بددعا کروں گی۔

صرف یہی نہیں بلکہ سیدہؓ نے مسجد میں، صدیقؓ کی موجودگی میں تمام لوگوں کو خطبہ بھی دیا: سیدہؓ نے صدیقؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ: اے ابن ابی قحافہ! تو اپنے باپ کا وارث ہے اور میں اپنے والد کی وارث نہیں؟ یہ تو بہتان ہے۔ قرآن تو کہتا ہے: ''سلیمان علیہ السلام وارثِ داوٗدؑ بنے۔'' اور: ''زکریا علیہ السلام نے یحییٰ علیہ السلام کی وراثت کی دعا کی۔'' اور قرآن کا کلی قانون ہے کہ: ''صاحبانِ قرابت وارث ہوتے ہیں۔'' لہٰذا قرآن کی رو سے مجھے میراث ملنی چاہیے۔ میراث سے محروم تو وہ اولاد ہوتی ہے جو والد کے مذہب پر نہ ہو، کیا میرے والد کا اور میرا مذہب جدا ہے؟ اور لوگوں سے مخاطب ہو کر سیدہؓ نے فرمایا: تم نے میرے حق پر چشم پوشی کیوں کی؟ اور مجھ پر ہونے والے ظلم پر کیوں سو گئے؟

ابوبکرؓ کا فیصلہ فدک اور خلافت نہ ماننے پر فاروق اعظمؓ نے سیدہؓ کے مکان تک کو آگ لگوا دی۔

پھر مجبوراً سیدہؓ نے اپنے بچوں حسن و حسین کو خچر پر بٹھا کر مدینہ کی گلیوں میں دہائی دی کہ اُن کا حق دلوانے میں کوئی مدد کرے، مگر کوئی بھی تیار نہ ہوا۔ لہٰذا سیدہؓ اس باغ کے نہ ملنے کے غم میں اِس قدر نڈھال ہوئیں کہ بستر سے لگ گئیں اور بالآخر اسی غم میں دنیا سے چل بسیں۔ تادم آخر خود بھی شیخینؓ سے ناراض رہیں اور ان سے کوئی کلام نہیں کیا۔ اور یہ وصیت بھی کر گئیں کہ ابوبکر و عمر کو میرے جنازے میں شریک نہ ہونے دینا۔ چنانچہ وصیت کے مطابق حضرت ابوبکر کو وفات و جنازے کی اطلاع تک نہ دی گئی۔

سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کا حق دبانے کی وجہ سے صدیق اکبرؓ غضب الٰہی و غضبِ رسول کے مستحق ٹھہرے، خدا اور رسول کو اذیت دی، لہٰذا اُن کے تمام اعمال اکارت ہو گئے اور ایمان تک سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ جس کا اِحساس اُن کو خود بھی ہوا اور رو رو کر کہتے رہے کہ: مجھے خلافت سے معزول کردو۔ اور وفاتِ صدیقؓ کے وقت یہ احساس شدت اختیار کر گیا اور کہا: کاش! میں نے فاطمہ کا حق نہ دبایا ہوتا۔''

یہ کہانی شیعہ کتب کی رو سے بھی جھوٹی ہے:

جدید و قدیم شیعہ کتب میں اِس قصہ اور اِس سے متعلق روایات میں اِس قدر تضادات ہیں جن میں تطبیق کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ اَصحابِ رسول بالخصوص شیخینؓ پر الزام لگانے اور کیچڑ اُچھالنے کے لیے جس بدباطن سے جو بہتان بن پڑا اُس نے لگا دیا اور جو جھوٹ دِل و دماغ میں آیا اُگل دیا۔ اِس کے باوجود مذکورہ بالا خود ساختہ اور فرضی کہانی حقائق کے منافی تو ہے ہی خود شیعہ مذہب کی اُصولی اور معتبر کتب میں درج روایات سے بھی مطابقت نہیں رکھتی۔ چنانچہ درج ذیل اُمور بھی شیعہ کتب کا حصہ ہیں کہ:

......جب حضرت علیؓ اپنی تنگدستی کی وجہ سے حضرت فاطمہؓ کا رشتہ طلب کرنے سے کترا رہے تھے تو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے اُن کو بہ اصرار آمادہ کیا۔ اور مالی حالات کے حوالے سے تسلی دی۔

......حضرت ابوبکرؓ و عثمانؓ نے شادی کا خرچ اٹھانے اور سامان خریدنے میں بھرپور تعاون کیا۔

......حضور نے خلفائے ثلاثہ کو نام لے کر نکاح فاطمہؓ کی تقریب میں بلوایا اور نکاح کا گواہ بھی بنایا۔

......حضرت فاطمہؓ کے رہائشی مکان کی لپائی، صفائی اور رُخصتی کے جملہ انتظامات حضرت عائشہؓ و ام سلمہؓ نے اپنے ہاتھوں سے مکمل کیے۔

......خلفائے ثلاثہ کے حضرت علیؓ کے ساتھ اور امہات المؤمنین خصوصاً سیدہ عائشہؓ کے سیدہ فاطمہؓ کے ساتھ محبت و اخوت احترام و اکرام کے بہترین مثالی تعلقات تھے۔ اور آنا جانا لگا رہتا تھا۔

......فدک یہودیوں کی زمین تھی، ۷ ہجری میں نصف یا مکمل فدک کا رسولؐ سے مصالحہ ہوا۔

......اس کے لیے مسلمانوں نے کوئی جنگ نہیں کی، لہٰذا یہ رسولؐ کی ملکِ خاص بنا۔

......فدک کوئی معمولی زمین نہیں تھی، بلکہ وسیع رقبہ تھا، اس کی سالانہ آمدنی ہزاروں دینار تھی۔

......انبیاء کی مالی وراثت ہرگز نہیں ہوتی۔ بلکہ علوم واخلاق ہی نبوت کی وراثت ہوتے ہیں۔

......شیخینؓ کو فدک پر کوئی طمع اور لالچ ہرگز نہیں تھا نہ ہی انہوں نے کوئی نفع اس سے اٹھایا۔

......نیز فدک کی آمدنی کی ادائیگی میں بھی سیدنا صدیق اکبرؓ نے کوئی کوتاہی روا نہیں رکھی۔

......جب سیدنا صدیق اکبرؓ نے اِس عزم کا اظہار کیا کہ تمام اموال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم والا طریقہ ہی جاری رہے گا۔اس سے سر مو انحراف نہیں ہوگا تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا خوش ہو گئیں۔

......امام باقر رحمہ اللہ کے فرمان کے مطابق حضرات شیخینؓ نے آل رسول کے تمام حقوق ادا کیے،کوئی ظلم روا نہیں رکھا۔آل نبی پر ظلم وستم کی داستانیں مغیرہ بن بنان جیسے کذاب لوگوں کی گھڑی ہوئی ہیں جو سراسر جھوٹ ہیں۔

......امام زید الشہید بن امام زین العابدینؒ کے بقول: معاملہ فدک سے متعلق سیدنا صدیق اکبر ؓ نے جو فیصلہ فرمایا، وہ بالکل درست،قرآن وسنت اور انصاف کے تمام تقاضوں کے مطابق تھا۔

......سیدنا فاروق وعثمان حتی کہ سیدنا علی وحسن رضی اللہ عنہم نے بھی باغ فدک آل رسول کی ملکیت میں نہیں دیا۔

......نبی کریم اور خلفاء کا طرزِ عمل فدک سے متعلق ایک ہی طرح کا تھا۔کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

......البتہ مروان نے فدک میں شخصی ملکیت جاری کی تھی، پھر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے دور میں پرانی حیثیت بحال کر دی۔

......سیدہ فاطمہؓ کے ایام علالت میں شیخینؓ مسلسل حضرت علیؓ سے سیدہ کی بیمار پرسی کرتے رہے۔

......سیدنا صدیق اکبرؓ کی اہلیہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا آخر دم تک سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت اور تیمارداری کے لیے موجود رہیں۔اور بعد از وفات غسل،تجہیز اور تکفین میں بھی شامل رہیں۔

......وفاتِ سیدہؓ کی خبر سن کر شیخینؓ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور تعزیت کی۔

......خلیفہ اور حاکم وقت موجود ہو تو جنازہ پڑھانے کا سب سے زیادہ حق دار وہی ہوتا ہے۔

فدک کی حقیقت سے متعلق لائق مطالعہ چند کتب:

شیعہ کتب کی مذکورہ روایات سے اہل تشیع کی کہانی کے من گھڑت ہونے کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔مزید تفصیلات کے لیے، نیز اہل السنۃ والجماعۃ کا مدلل موقف اور روافض کے اعتراضات و شبہات کے جوابات اور دیگر تفصیلات کے لیے درج ذیل کتب کی طرف رُجوع کیا جائے:

۱۔آبِ حیات،مؤلفہ: حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ

۲۔آفتابِ ہدایت،مؤلفہ: رئیس المناظرین حضرت مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ

۳۔تحقیق فدک،مؤلفہ: امام پاکستان مولانا سید احمد شاہ بخاری رحمہ اللہ

۴۔**ازالة الشک عن مسئلة فدک**،مؤلفہ: مناظر اہل سنت علامہ عبد الستار تونسوی رحمہ اللہ

۵۔**رحماء بینھم**،حصہ صدیقی،محقق اہل سنت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ

تمہیدی گزارشات:

اہل سنت کے موقف سے قبل چند تمہیدی گزارشات پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

......اہل سنت اور اہل تشیع کے ہاں یہ قاعدہ مسلم ہے کہ: جو روایت نصِ قرآنی اور سنت مشہورہ مسلمہ کے خلاف مروی ہو،اور کوئی تاویل وتطبیق یا موافقت کی صورت نہ نکل سکے وہ قابل رد ہوتی ہے۔

......قرآن مجید نے واشگاف الفاظ میں بتادیا ہے کہ: رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام آپس میں رحم دل ہیں۔

......لہٰذا وہی روایات قابل قبول ہوں گی جن میں صحابہ کرام کی باہمی اُلفت ومحبت اور اُخوّت و شفقت کے واقعات درج ہوں۔

......قرآن کی بیان کردہ یہ صفتِ رحمت چند ایک صحابہؓ کے لیے نہیں بلکہ تمام صحابہ کرامؓ کے لیے ہے۔اور دائمی ہے۔وہ تادم آخر اِسی صفت پر قائم ودائم رہے۔

......حضرات خلفائے راشدین،دیگر صفات کی طرح صفتِ رحمت اور عدل وانصاف میں بھی عالی شان تھے اور اِن صفات میں بھی جماعتِ صحابہ میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔

......قرآن نے صحابہؓ کے بارے میں بیان کردیا کہ: **وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان.** (تمہارے [صحابہ کے] دلوں میں کفر،نافرمانی اور گناہ کی نفرت ڈال دی۔) لہٰذا اَب صحابہ کرام کے فیصلوں کو ظالمانہ،غاصبانہ اور دُور اَز اِنصاف قرار دینا قرآن کی رُو سے باطل ہے۔

......صحابہ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق ومحبت میں کمال درجہ پر فائز تھے۔جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار کے نمائندے عروہ نے گواہی دی۔جو شیعی کتب میں بھی درج ہے۔

......قرآن کریم میں بے شمار مقامات پر صحابہ کے کامل الایمان،متقی،جنتی،رضائے الٰہی کے مستحق ہونے کی گواہی دی گئی ہے۔ایسی جماعت کے متعلق یہ خیال کرنا کہ:’’ان کے سامنے رسول کی لختِ جگر خاتون جنت کا حق غصب کیا گیا،اور وہ سب خاموش تماشائی بنے رہے۔‘‘ یہ قرآنی شہادتوں کو

رد کرنے اور رسول اللہ ﷺ کی تئیس سالہ تعلیم وتربیت کو رائیگاں قرار دینے کے مترادف ہے۔

حقیقتِ فدک:

اِن تمہیدی گزارشات سے ہی معاملہ بالکل واضح ہے کہ صحابہ کرام اور اہل بیتِ رسول علیہم الرضوان کی باہمی محبت والفت نا قابل انکار حقیقت ہے اور اُن کے مابین عداوت ودشمنی کی بات نا قابل قبول جھوٹ ہے۔ لہٰذا اِس قطعی حقیقت کے خلاف اگر کوئی روایات ہوں تو اُن کی تاویل کی جائے گی ورنہ رَد کر دی جائیں گی۔ اِس کے بعد کسی تفصیل کی ضرورت' اُصولی طور پر باقی نہیں رہتی، لیکن توضیح اور مزید تسلی وتشفی کی خاطر مستند روایات اور تاریخی حقائق کی روشنی میں فدک کا معاملہ مختصر انداز میں پیش خدمت کیا جا رہا ہے۔

فدک کا باغ مدینہ طیبہ کے شمال میں تین منزل کی مسافت پر خیبر کے مضافات میں واقع تھا۔ جو یہود کے پاس تھا۔ فریقین کا اتفاق ہے کہ فدک، اللہ تعالیٰ نے بغیر لڑائی کے مسلمانوں کو عطا فرمایا۔ شریعت کی اصطلاح میں اسے ''مالِ فیئے'' کہتے ہیں۔ قرآن پاک نے سورۃ حشر میں مال فیئے کے آٹھ مصارف بیان کیے ہیں: ۱۔ للہ، ۲۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ۳۔ ذوی القربیٰ (نبی کریم کے رشتے دار)، ۴۔ یتامیٰ، ۵۔ مساکین، ۶۔ مسافر، ۷۔ فقراء مہاجر صحابہ، ۸۔ فقراء انصار صحابہ۔

یہ باغ دیگر اموال فیئے کی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحویل وانتظام میں ضرور تھا، لیکن آپ کی ذاتی ملکیت نہیں تھا۔ (دوسرے اموالِ غنیمت جو آپ ﷺ کے حصہ میں آ کر آپ کی ذاتی اور شخصی ملکیت قرار پائے، بعد از وَفات وہ بھی وقف للہ ہو چکے تھے۔ کیونکہ صحیح صریح احادیث سے ثابت ہے کہ انبیاء کی میراث علم وحکمت ہے۔ اپنی اولاد کو سونا، چاندی، [یعنی مال وجائیداد] کا وارث انبیاء نہیں بناتے۔)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیگر اموال فیئے کی طرح اِس باغ کی آمدنی سے بھی اپنی ذاتی ضروریات، اپنی ازواج کے نفقہ جات، اپنی اولاد کے اخراجات کے ساتھ ساتھ قرآنی حکم کے مطابق دیگر مصارف پر بھی خرچ فرماتے تھے۔ آپؐ نے اپنے قرابت داروں میں اَموال کے لیے قاسم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بنایا تھا، وہی تقسیم کرتے تھے، حضرات شیخینؓ کے زمانے میں بھی حضرت علیؓ ہی تقسیم کرتے رہے۔

ابو داؤد شریف کی روایت کے مطابق حضور ﷺ کی زندگی میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرات حسنینؓ کے لیے فدک سے متعلق سوال کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: ''حسنؓ کے لیے میری ہیبت اور حسینؓ کے لیے میری جراَت ہے۔'' اپنے نواسوں کے متعلق اپنے اَخلاق کی وراثت کی تسلی دی، مگر باغ کی ملکیت سپرد نہیں کی۔ باغِ فدک سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دینے والی شیعی روایات کسی طرح قابل اعتبار نہیں ہیں۔

حضور ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے جانشین کی حیثیت سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دیگر

اموال فئے کی طرح فدک کے بھی منتظم بنے اور وہ آپ کی تحویل میں آیا۔سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کسی قاصد کے ذریعے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیغام بھیج کر صدقاتِ مدینہ،فدک کی آمدنی اور خیبر کے خمس کا مطالبہ کیا۔اِس مطالبے میں سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے یہ مطالبہ کیوں سامنے آیا؟ تو اِس کا جواب یہ ہے کہ:

۱۔یا تو فقط انتظام کا مطالبہ تھا کہ،فقراء میں خرچ کی اِس خدمت کا موقع مجھے بھی مل جائے۔

۲۔یا سب کے سامنے مسئلہ کے اظہار کے لیے مطالبہ فرمایا،تاکہ سب جان لیں کہ انبیاء کی میراث مال نہیں،علم وحکمت ہوتا ہے۔

۳۔یا پھر وراثت کا ہی مطالبہ تھا،کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحویل میں باغ کے ہونے سے ملکیت کا پہلو بھی نکلتا تھا،اس لیے آپ کو یہ خیال آیا کہ شاید وہ بطورِ وراثت آپؓ کے ورثاء کا حق ہے۔اور حدیثِ میراث کے بارے شاید آپ یہ سمجھتی تھیں کہ اُس کا تعلق صرف سونا چاندی سے ہے۔زمین سے نہیں۔

جواب میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پیغام بھیجا کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ’’ہم انبیاء کی جماعت کا کوئی وارث نہیں ہوتا،ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔‘‘(اس لیے ملکیت کا حق تو نہیں۔اور اگر انتظام سپرد کیا جائے تو وراثت کی شکل بن جائے گی۔) جن اُمور کے متولی پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے،اَب میں ہوں۔خدا کی قسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نہیں چھوڑ سکتا،ورنہ میں گمراہ ہو جاؤں گا۔آلِ رسول کا نان نفقہ حسب سابق یقیناً انہی اموال میں سے دیا جائے گا۔(لیکن ملکیت نہیں ہوگی۔) البتہ آپ کی خدمت کے لیے میرا ذاتی مال حاضر ہے۔مجھے اپنی رشتہ داری سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری زیادہ محبوب ہے۔چنانچہ سیدہؓ اور ان کی اولاد نے یہ مطالبہ پھر کبھی نہیں کیا۔

اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور بعد کے خلفاء رضوان اللہ علیہم اجمعین اہل بیت کا راشن انہی اموال سے جاری فرماتے رہے اور حضرات اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین قبول فرماتے رہے۔

پھر حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے تو مزید اطمینان دلایا کہ فدک سمیت تمام معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاری کردہ طریقہ کی پوری پابندی کی جائے گی۔اس پر سیدہؓ خوش ہوئیں۔اور کسی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا۔لہٰذا سیدہؓ کے نام لیواؤں کو بھی چاہیے کہ صدیق وعمر رضی اللہ عنہما سے خوش ہو جائیں اور کوئی ناراضگی نہ رکھیں۔

اس کے بعد تادم آخر حضرات شیخینؓ اور اہل بیت کرام کے باہمی تعلقات حسبِ سابق احترام واکرام اور محبت واخوت والے رہے۔سیدہ فاطمہؓ کی علالت کے ایام میں زوجہ سیدنا صدیقؓ نے مسلسل

خدمت سرانجام دی، حتی کہ وفات کے بعد تجہیز و تکفین اور غسل میں بھی شامل رہیں۔ ادھر شیخین رضی اللہ عنہما بھی حضرت علیؓ سے سیدہؓ کی بیمار پرسی کرتے رہے۔ بعد از وفات فوراً آ کر تعزیت کی اور جنازہ میں شریک ہوئے بلکہ بعض روایات کے مطابق جنازہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پڑھایا۔

طوالت کے خوف سے ہم نے حوالہ جات اور عبارات نقل کرنے سے احتراز کیا ہے۔ حوالہ جات علماء اہل سنت کی مذکورہ بالا کتب، نیز حضرت کاندھلویؒ کی: سیرت المصطفیٰ، مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ کی: کشف الباری، علامہ خالد محمود مدظلہم کی: دوازدہ احادیث، مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ کی: تریاق اکبر، مولانا علی شیر حیدری شہیدؒ کے افادات: افسانہ فدک، مولانا اسماعیل ریحان کی: تاریخ امت مسلمہ، اور اہل تشیع کی جاگیر فدک، از: غلام حسین نجفی۔ باغ فدک: تحقیقی جائزہ، از: محمد جعفر زیدی۔ فدک: تاریخ کی روشنی میں، از: محمد باقر الصدر۔ اور فدک: تاریخ کی روشنی میں، از: ذیشان حیدر جوادی۔ وغیرہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

چند قابل توجہ پہلو:

فدک کے حوالے سے چند اہم اور قابل توجہ پہلو یہ ہیں کہ:

......بادشاہت و نبوت کے درمیان فرق یہی ہوتا ہے کہ بادشاہ دنیا کا مال جمع کرتا ہے اور مرتے وقت اپنی اولاد کو اس کا وارث بنا جاتا ہے۔ جبکہ نبی خود بھی ساری زندگی "**لا اسئلکم علیه اجرا.** " (میں تم سے کسی اجرت کا مطالبہ نہیں کرتا) کہتا ہے۔ اور وفات کے وقت سارا مال صدقہ کر جاتا ہے۔

......حضور ﷺ خود فرماتے ہیں: "**مالي وللدنیا**، مجھے دنیا سے کیا غرض!"

......اگر انبیاء کی مالی میراث جاری ہوتی تو لوگوں کو انگلیاں اٹھانے کا موقع ملتا کہ دعویٰ نبوت دراصل مال جمع کرنے اور اپنی اولاد کو نوازنے کا ایک بہانہ تھا۔

......حضور ﷺ نے اپنی ازواج کو سونے کا زیور استعمال کرنے سے منع فرما دیا۔

...... بلکہ سیدہ فاطمہؓ کے زیور پر نگاہ پڑی تو فرمایا: "لوگ کہیں گے کہ محمد کی بیٹی مغروروں جیسا زیور پہنتی ہے۔" تو سیدہ نے وہ توڑ کر بیچ دیا اور اس کے بدلے غلام آزاد کیا۔

......ایک موقع پر خاتون جنت حضرت فاطمہؓ نے حضورؐ سے گھریلو کام کے لیے غلام کی درخواست کی تو حضورؐ نے غلام دینے یا مہیا ہونے پر عطا کرنے کا وعدہ کرنے کے بجائے تسبیحات فاطمی کی تلقین فرمائی۔

......حضور نے اپنی اولاد کے لیے دعا فرمائی کہ: اللہ تعالیٰ ان کو قوت لایموت سے زیادہ نہ دے۔

......اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضورؐ نے باغ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا تھا، تو شانِ نبوت پر حرف آئے گا کہ باقی سات مصارف اور آٹھویں مصرف کے باقی حق داروں (چچا و ازواج) کو کچھ نہیں دیا۔

......حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کو صرف دس دن گزرے تھے، ایسے جانکاہ

حادثے کے چند ہی دن بعد میراث کا مطالبہ کرنا زیبا نہیں تھا۔ نہ ہی سیدہؓ سے اس کی توقع کی جاسکتی ہے۔

......میراثِ انبیاء سے متعلق حدیث کے ناقل سیدنا صدیق اکبرؓ اکیلے نہیں، بلکہ بعض دیگر صحابہ بھی اس نقل میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔ بلکہ اس مفہوم کی احادیث تو صحابہ کی ایک جماعت نے نقل کی ہیں۔ جن میں سیدنا ابو ہریرہ، سیدنا ابن عمر، حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت زبیر بن عوام اور سیدنا عباس وغیرہ ۱۳/ صحابہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ خود سیدنا علیؓ کی اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ کو نصیحت تھی کہ: علم دین حاصل کرو، انبیاء کے وارث علماء ہیں۔ سونا چاندی نبیوں کی میراث نہیں ہوتا۔

......انبیاء پوری امت کے روحانی والد ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر اُن کے مال میں وراثت ہوگی تو پوری امت کا حق ہوگا۔

......سیدنا ابوبکرؓ سیدہ فاطمہؓ کے ایک لحاظ سے نانا بھی ہوئے، حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت فاطمہؓ کے رشتے کے محرک بھی، جہیز خریدنے والے بھی، سیدہؓ کے نکاح کے اہم گواہ بھی، اتنے بڑے محسن کے ساتھ محض مال کی وجہ سے سیدہؓ کی طرف سے ایسا سلوک سیدہ فاطمہؓ کے شایان شان ہرگز نہیں ہے۔

......حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تو سیدۃ نساء اھل الجنۃ (جنتی خواتین کی سردارہ) ہیں۔ اور غصہ پینا اور معاف کرنا جنت والوں کی صفات ہیں: ”والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس.“

......اگر حضورؐ نے فدک کا باغ سیدہ فاطمہؓ کے نام ہبہ کر دیا ہوتا تو مطالبہ میں حضرت عباسؓ شریک نہ ہوتے۔ نیز فدک کے علاوہ دیگر اَموال کا مطالبہ نہ ہوتا۔

......سیدنا صدیقؓ وفاروقؓ نے حضورؐ کی جائیداد میں وراثت نہیں جاری کی تو اُن کی اپنی بیٹیاں بھی حق دار تھیں، اُن کو بھی محروم رکھا۔ معلوم ہوا کہ بات اولادِ رسول سے دشمنی کی نہیں، بات شرعی مسئلہ کی تھی۔

شیعہ فرقہ کے چند سوالات کے جوابات:

فدک کے حوالے اہل تشیع، عوام اہل سنت کو گمراہ کرنے کے لیے کچھ سوالات نسل در نسل دوہراتے چلے آرہے ہیں، حالانکہ علماء اہل سنت بارہا اُن کے جوابات دے چکے ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

سوال: اُمہات المؤمنینؓ کے حجرے تو اُن کی ملکیت رہے، بے چاری فاطمہؓ کا باغ ہی کیوں مصالح المسلمین میں صرف کیا گیا؟

جواب: ۱۔ اِس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمہات المؤمنین کے حجرے اپنی زندگی میں اُن کی ملکیت میں دے دیئے تھے۔ جبکہ فدک کا باغ کسی کی ملکیت میں نہیں دیا تھا۔

۲۔ نبی کی وفات کے بعد اُن کی ازواج کے ساتھ کسی کے لیے نکاح کرنا جائز نہیں۔ بلکہ وہ نبی کی زوجہ کی حیثیت سے ہی رہتی ہیں۔ اس لیے تاعمر اُن کو اُن حجروں میں رہنے کا حق دیا گیا تھا۔

سوال: سیدنا صدیقؓ نے دوسرے لوگوں کے وعدوں کو بلا دلیل و بینہ پورا کر دیا۔(جن لوگوں سے حضور کا وعدہ تھا، اُن کو بلا شہادت ہی مال دے دیا۔) تو عطیہ زہرا رضی اللہ عنہا کو کیوں رد کر دیا؟

جواب: سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ہبہ کا دعویٰ ہی نہیں کیا۔ اہل سنت کی کسی معتبر کتاب و روایت سے یہ ثابت نہیں۔ جب ہبہ کا دعویٰ ہی نہیں تھا تو رد کرنے کا کیا مطلب؟

سوال: کیا یہ دو باتیں آپس میں متضاد نہیں ہیں کہ: ''فدک آنحضور ﷺ کی ملکیت نہ تھا۔'' ......اور...... ''نبی کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔''؟ اگر ملکیت رسول ہی نہ تھی تو صدیقؓ نے ہبہ کے گواہ کیوں طلب کیے؟

جواب: فدک واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصی ملکیت نہیں تھا۔ اگر بالفرض ملکیت تھا تو دوسرا قانون یہ ہے کہ انبیاء کا مال صدقہ ہوتا ہے۔ اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ نہ تو سیدہ فاطمہؓ نے ہبہ کا دعویٰ کیا نہ سیدنا صدیق اکبرؓ نے گواہ طلب کیے۔ یہ سب ان دونوں پاک اور جنتی ہستیوں پر بہتان ہے۔

سوال: اگر سیدہؓ ناراض نہیں تھیں تو بخاری و مسلم میں ''غضبت'' کے الفاظ کیوں ہیں؟

جواب: یہ درست ہے کہ بخاری شریف کی روایت میں ''فغضبت'' (سیدہ فاطمہؓ حضرت ابو بکرؓ سے ناراض ہو گئیں۔) کے الفاظ موجود ہیں۔ لیکن محدثین کے ہاں روایت سے کوئی مسئلہ معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس نوع کی تمام روایات اور ان کی تمام اسناد کو پیش نظر رکھ کر مسئلہ اخذ کیا جاتا ہے، تاکہ اگر کسی راوی کی طرف سے کمی بیشی، تعبیر کا فرق یا الفاظ میں تبدیلی ہو گئی ہو تو وہ بھی سامنے آجائے۔

قصہ فدک سے متعلق تقریباً ۳۶/روایات اہل سنت کی ۱۵/متعدد کتب میں وارد ہوئی ہیں، ۲۵/ سیدہ عائشہؓ سے، ۶/حضرت ابو ہریرہؓ سے، ۲/حضرت ام ہانیؓ سے، ۳/حضرت ابو الطفیلؓ سے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ والی روایات کے علاوہ کسی روایت میں یہ اَلفاظ نہیں ہیں۔

نیز حضرت عائشہؓ والی روایات میں سے بھی صرف اُن روایات میں یہ الفاظ ہیں جو امام زہریؒ سے مروی ہیں۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ بیشتر روایات میں ناراضگی وغیرہ کے تذکرہ سے پہلے ''قال'' کا لفظ موجود ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا کہ یہ حضرت عائشہؓ کا فرمان نہیں بلکہ یقینی طور پر امام زہریؒ کے ہی تاثرات ہیں۔

(اور امام زہریؒ کی عادت تھی متنِ حدیث کے دوران ہی اس کی تشریح اور اس کے بارے میں اپنے خیالات ظاہر کرتے تھے۔ اِسی لیے امام زہریؒ کے ساتھی امام ربیعؒ وغیرہ نے اُن سے کہا کہ: یہ طریقہ خلافِ احتیاط ہے۔ آپ کلام رسول سے اپنے کلام کو بالکل الگ بیان کیا کریں۔ ورنہ لوگوں کو شبہ ہوگا۔)

لہٰذا معلوم ہوا کہ غصہ اور ناراضگی وغیرہ اَلفاظ سیدہ عائشہؓ کے نہیں، امام زہریؒ کے ہیں۔ جو انہوں نے اپنے اندازے سے کہے ہیں۔ اور اِس میں اُن کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ کیونکہ ناراضگی دِل کا فعل ہے۔

فریقین کی معتبر روایات میں سیدہ فاطمہؓ سے کوئی قول مروی نہیں کہ اُنہوں نے خود ارشاد فرمایا ہو کہ میں ابوبکرؓ سے ناراض ہوں۔ جبکہ حضرت علیؓ سے سیدہؓ کی ناراضگی اُن کی اپنی زبانی شیعہ روایات میں موجود ہے۔

سوال: ناراضگی نہیں تھی تو بعض روایات میں ''ترکِ کلام'' کا ذکر آیا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب: ۱۔ مطلب یہ ہے کہ: مسئلہ میراث میں پھر کبھی بات نہیں کی۔ یعنی یہ مطالبہ نہیں دوہرایا۔

۲۔ سیدہؓ کو ندامت تھی کہ ایسا مطالبہ کرلیا جو مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا۔ بوجہ ندامت بات نہیں کی۔

۳۔ سیدہ فاطمہؓ علالت اور بیماری کے باعث گھر رہیں، اور سیدنا صدیق اکبرؓ امورِ خلافت اور مختلف فتنوں کے سدِباب میں مسلسل مشغول رہے۔ اس لیے بھی موقع نہیں ملا۔

سوال: اگر سیدہ ناراض نہیں تھی تو شیخینؓ منانے کیوں گئے؟

جواب: شیخین رضی اللہ عنہما کے جانے کا مقصد تو سیدہؓ کی عیادت تھا۔ شیعہ کتب میں ہے کہ: اِس لیے گئے تھے کہ اگر بشری تقاضے کے تحت طبعی طور پر کوئی رنج و ملال دِل میں آیا ہو تو اُس کا ازالہ ہو جائے۔

سوال: یوصیکم والی آیت کا کیا جواب ہے جس میں قرآن نے بلا استثناء سب کی اولاد کو والدین کی وراثت کا مستحق قرار دیا؟ اور کیا قرآن حکیم کی آیت: ''**ولکل جعلنا موالی مماترک الوالدان والاقربون**'' سے ''**یوصیکم**'' والے حکم کا عموم ظاہر نہیں ہو جاتا کہ یہ حکم نبی وغیرہ سب کے لیے ہے؟

جواب: قرآن کا یہ حکم ''مجمل'' ہے، حدیثِ نبوی اس کی تفسیر ہے۔ اور قرآنی اجمال کی تفسیر حدیث نبوی سے کی جاسکتی ہے۔ مثالیں موجود ہیں۔ اور حدیث نے سمجھا دیا کہ یہ حکم غیر انبیاء کے لیے ہے۔

سوال: سلیمان علیہ السلام کی وراثت اور زکریا علیہ السلام کی دعائے میراث کا کیا جواب ہے؟

جواب: سلیمان علیہ السلام کو حضرت داؤد علیہ السلام سے وراثت میں ''نبوت'' ملی، نہ کہ مال و جائیداد۔ ورنہ تو روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت سلیمانؑ کے وارث ہیں۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کی جائیداد میں سے کچھ بھی نہیں ملا۔ معلوم ہوا کہ جو وراثت یہاں مراد ہے، وہی وہاں مراد ہے۔ نیز آیت میں ''آل یعقوب کی وراثت'' کا بھی ذکر ہے۔ اور آل یعقوب کے ہزاروں لاکھوں لوگ موجود تھے، کیا زکریا علیہ السلام اُن سب کے مال کے وارث ہوئے؟

شیعہ حضرات سے چند سوالات:

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں اہل تشیع سے چند سوالات' بجا طور پر کیے جاتے ہیں:

......اگر یہ باغ سیدہؓ کا حق تھا تو سیدنا علیؓ نے مطالبے میں ساتھ دینے سے کیوں اِنکار کیا؟

......اگر حضرت علیؓ (نعوذ باللہ) مشکل کشا ہیں تو سیدہؓ کی مشکل کشائی کیوں نہیں فرمائی؟

......شیعہ کتب کے مطابق سنی حاکم کے پاس معاملہ لے جانے سے ایمان ختم ہو جاتا ہے۔حضرت ابوبکرؓسنیوں کے امام ہیں۔کیا سیدہؓ نے اُن کے پاس معاملہ لے جا کر اپنے ایمان کا خاتمہ کرلیا؟

......کیا سیدہ فاطمہؓ پر(نعوذ باللہ) مال کی محبت اتنی غالب تھی کہ حدیث سن کر ناراض ہو گئیں؟

......حدیث سننے کے باوجود ناراضگی کرکے تو گویا سیدہؓ نے حضور ﷺ کا فیصلہ نہ مانا۔قرآن کہتا ہے کہ: رسول کا فیصلہ بخوشی نہ ماننے والا مسلمان ہی نہیں۔سیدہؓ نے غیر اسلامی کام کیوں کیا؟

......تمہارے نزدیک سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا معصوم ہیں۔اور معصوم سے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ شریعت میں تین دن سے زیادہ ناراض رہنا گناہ ہے۔پھر سیدہؓ کیوں ناراض رہیں؟

......اگر سیدہ فاطمہؓ،حضرت صدیق اکبرؓ سے ناراض تھیں تو اُن کا بھیجا مال کیوں قبول فرماتی رہیں؟

......شیعہ کتب کے مطابق حضرت فاطمہؓ کا جیسے صدیق اکبرؓ سے ناراض ہونا منقول ہے، ایسے ہی سیدنا علیؓ سے بھی ناراضگی درج ہے۔کیا اس ناراضگی سے حضرت علیؓ کے اعمال وایمان بھی ضائع ہوگئے؟

......بعض لوگ کہتے ہیں کہ: حضرت علیؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں باغِ فدک آل رسول کی ملکیت میں اِس لیے نہیں دیا تھا کہ: غصب شدہ چیز واپس لینا شانِ امامت کے خلاف ہے، اِس لیے ہمارے ائمہ غصب شدہ چیز نہیں لیا کرتے۔حضرت دبیرؒ فرماتے ہیں: اگر یہی بات ہے تو آپ کے نزدیک تو حضور ﷺ کے بعد خلافت بھی تین مرتبہ غصب کرلی گئی تھی، پھر حضرت علیؓ نے وہ کیوں قبول فرمائی؟

خلاصہ کلام:

خلاصہ بحث یہ ہے کہ: فدک سے متعلق اہل تشیع کے خیالات نہ صرف قرآن وسنت اور مسلمہ دینی اُصول کے خلاف ہیں بلکہ اہل تشیع کی مستند کتب کی معتبر روایات کے بھی منافی ہیں۔روافض کا یہ باطل نظریہ نہ صرف صحابہ کرام کی شان کے منافی ہے بلکہ اہل بیت عظام کی بھی توہین کے برابر ہے۔شیعوں کا اختیارہ کردہ یہ موقف نہ صرف یہ کہ حقائق کا منہ چڑانے کے مترادف ہے بلکہ عقل وانصاف کے ترازو میں بھی بالکل بے وزن ہے۔صحابہ دشمن اور بے دین لوگوں کی ایسی خود ساختہ کہانیاں نہ صرف یہ کہ فکری ونظریاتی طور پر اُمت میں انتشار کا باعث ہیں بلکہ عملی طور پر بھی معاشرے کے اُمن واماں کی دشمن ہیں۔

لہٰذا ہم حکومت وقت سے مطالبہ کرتے ایسی گفتگو کرنے والی خاتون، اسے نشر کرنے والے چینل اور ان کی پشت پناہی کرنے والے خفیہ ہاتھوں کو گرفتار کرکے قرار واقعی سزا دے۔اللہ تعالیٰ ہر قسم کے فتنوں سے امت مسلمہ کی مکمل حفاظت فرمائے اور صحیح عقیدے، درست اعمال اور اعلیٰ اخلاق کا پابند فرمائے۔

آمین یارب الصحابة والشهداء والصالحین بجاه النبی الکریم صلی الله علیه وسلم

یوم وفات قائد اہل سنت رحمہ اللہ

قائد اہل سنت وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے مسلکِ اہل سنت کے دفاع کی عموماً اور صحابہ کرام کے دفاع کی خصوصاً ایسی عظیم الشان اور بے مثال خدمات کی توفیق خاص عطا فرمائی کہ اُن کی شخصیت مسلکی معاملات میں ''حجت'' سمجھی جاتی ہے۔

حضرت رحمہ اللہ کی ساری زندگی مسلکِ حقہ کی تائید اور شرک و بدعت کی تردید میں گزری۔ اعتدال اور تصلب حضرت کے وہ اوصاف تھے کہ جن کی نظیر ممکن نہیں۔ آپ مسلکی معاملات میں انتہائی اصولی موقف کے حامل تھے، اور اپنے متعلقین کی طرف سے کسی قسم کے تساہل، ابہام یا مداہنت کو روا نہیں رکھتے تھے۔ اگر کسی کے متعلق معلوم ہو جاتا کہ کسی خلافِ مسلک سرگرمی میں ملوث ہے تو ابتداءً نرمی سے سمجھاتے، بصورت دیگر زجر و اصرار کے ساتھ تنبیہ فرمایا کرتے تھے۔

دیوبندی بریلوی اختلافات کے سلسلہ میں حضرت نے جہاں اور بدعات کا پرزور رَد فرمایا وہیں ''عرس'' جیسی بدعت سے متعلق بھی اکابر اہل سنت دیوبند کا موقف اپنی متعدد تحریرات میں روزِ روشن کی طرح واضح کیا۔ مگر نا معلوم کیوں بعض لوگ حضرت قائد اہل سنتؒ ہی کے نام پر اِس بدعت کو رواج دینے کے لیے مصر ہیں۔ خدا جانے یہ کوئی شاطری ہے یا سادگی کی انتہاء ہے کہ کسی کہنے میں آ کر ایسا کر گزرے ہیں۔ واللہ اعلم

گزشتہ چند سالوں سے یہ دیکھنے میں آ رہا ہے کہ حضرت رحمہ اللہ کی تاریخ وفات پر سوشل میڈیا پر باقاعدہ یادگاری مہم چلائی جاتی ہے، حضرت کی تصویر (جس سے وہ ساری زندگی بچنے کی پوری کوشش کرتے رہے) نشر کی جاتی ہے۔ اب تک تو یہ سلسلہ صرف یادگاری مہم تک تھا، اِس سال اس سے بڑھ کر بات ایصالِ ثواب کی مجلس اور نعت خوانی تک جا پہنچی ہے۔ شنید ہے کہ ایک صاحب نے اپنے گاؤں میں حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی وفات کے دن ایصال ثواب اور نعت خوانی کی مجلس منعقد کی ہے۔ یقیناً ایسا کرنے والے نہ حضرت کے سچے محبّ ہیں اور نہ پیروکار، بلکہ وہ حضرت کے ساتھ ساتھ مسلکِ اہل سنت دیوبند سے بھی عملاً منحرف ہو چکے ہیں۔ کیونکہ حضرت رحمہ اللہ عرس کو ''بدعت'' قرار دیتے تھے، اور ایسی بدعات میں ملوث ہونے والوں کو دیوبندیت سے خارج سمجھتے تھے۔ حضرت رحمہ اللہ کی چند عبارات ملاحظہ ہوں:

''قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کے فتاویٰ میں ہے:

''سوال: مولود شریف اور عرس کہ جس میں کوئی بات خلاف شرع نہ ہو جیسے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیا کرتے تھے۔ آپ کے نزدیک جائز ہے یا نہیں۔ (احمد سعید)

جواب:۔ عقد مجلس مولود اگرچہ اس میں کوئی امر غیر مشروع نہ ہو مگر اہتمام اور تداعی (یعنی دوسروں کو بلانا) اس میں موجود ہے لہذا اس زمانہ میں درست نہیں۔ وعلی ھذا۔

عرس کا بھی یہی جواب ہے۔ بہت اشیاء ہیں کہ اول مباح تھیں پھر کسی وقت میں منع ہوگئیں۔
مجلس عرس و مولود بھی ایسا ہی ہے۔ فقط (رشید احمد گنگوہی عفی عنہ) فتاویٰ رشیدیہ مبوب:۱۰۵۔
ناشران محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب قرآن محل۔ مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی)

اس کو دفن ہی کرنا پڑے گا:

فرمایئے کیا آج کل کوئی محفل میلاد اور عرس ایسا ہے جس میں تداعی نہ ہو۔ اور جس میں لوگوں کو شامل ہونے کے لئے دعوت نہ دی جاتی ہو؟

حضرت گنگوہیؒ نے تو مروجہ محافل میلاد اور عرسوں کی جڑ ہی کاٹ دی۔ کیا آپ حضرت مولانا گنگوہیؒ کے اس فتوی کو تسلیم کرتے ہیں؟ اگر تسلیم کرتے ہیں تو پھر مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کے مؤلفہ رسالہ ''اکابر کا مسلک و مشرب'' کو حضرت مولانا عاشق الٰہی زید مجدہ کے فرمان کے مطابق اس کو دفن ہی کرنا پڑے گا۔ (فرمایئے اب مسلک سے بے وفائی کا مرتکب کون ہے ہم یا آپ؟)'' [تحفظ عقائد اہل سنت:۲۱۶]

''عرس اور برسی: بزرگوں کی وفات پر جو سالانہ اجتماع ہوتا ہے اس کو عرفاً ''عرس'' کہا جاتا ہے اور آج کل جو کسی سیاسی لیڈر کی وفات کے دن سالانہ اجتماع کیا جاتا ہے اس کو ''برسی'' کہتے ہیں۔ چنانچہ ۱۷ اگست کو جنرل ضیاء الحق مرحوم کے صاحبزادگان اعجاز الحق وغیرہ بڑی دھوم دھام سے فیصل مسجد اسلام آباد کے پاس برسی کی رسم ادا کرتے ہیں جس میں میاں نواز شریف وغیرہ سیاسی لیڈر شریک ہوتے ہیں اور اس سال ۱۷ اگست ۱۹۹۶ء کو برسی میں مولانا سمیع الحق صاحب دیوبندی مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اور سیکرٹری جنرل ملی یکجہتی کونسل بھی شریک ہوئے۔ اور کیا بعید ہے کہ وہ اہل تشیع کی ماتمی جلوسوں میں بھی شریک ہونے لگیں جو جنت کے جوانوں کے سردار نواسہ رسول جگر گوشہ بتول حضرت امام حسینؓ کی نسبت سے نکالے جاتے ہیں۔ **إنالله وإنا إليه راجعون۔**

(۲)......اور باوجود اس کے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ کا یہ ارشاد مولانا عزیز الرحمٰن صاحب نے نقل کیا ہے کہ:

''ایک مدت تک انعقاد عرس سے جو فوائد حاصل ہوتے رہے جو اس کا اصل سبب تھے مرورِ وقت کے ساتھ ساتھ بدعات اور خرافات اس میں شامل ہوتی رہیں یہاں تک کہ عرس کی معنویت ختم ہوگئی اور رسوم و رواج اور لہو و لعب کے شامل ہو جانے سے عرس نے اکثر و بیشتر مقام پر ایک میلہ کی شکل اختیار کر لی جو بجائے مفید ہونے کے اس قدر ضرر رساں ہوگئی حتی کہ بعض عرسوں میں شراب نوشی، رنڈی بازی اور ناچ گانے کے عناصر بھی داخل ہوگئے۔ لہٰذا ہمارے اکابر کے لئے ضروری ہوگیا کہ عقائد کی خرابی اور اعمال میں فسق و فجور کو روکنے کے لئے انعقاد عرس بالکل روک دیا جائے۔ اس لئے کہ اس کو ان عناصر سے پاک کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان اکابرین کو بے حد جزائے خیر عطا فرمادے جنہوں نے شدت سے اس بے راہ

روی کے سیلاب کو روکنے کی کوشش کی اور الحمدللہ اس میں کامیاب ہوئے۔.....'' [مسلک: ۶۹۔۷۰]
جب کہ حضرت شیخ الحدیثؒ خود یہ فرمار ہے ہیں کہ:
''ہمارے اکابر کے لئے ضروری ہو گیا کہ عقائد کی خرابی اور اعمال میں فسق و فجور کو روکنے کے لیے انعقاد عرس بالکل روک دیا جائے۔الخ۔''

تو اس کے باوجود مولانا عزیز الرحمٰن صاحب اپنے رسالہ اکابر کا مسلک و مشرب' میں رقیق تاویلات کے سہارے بدعت عرس کی اہمیت کو کیوں کم کر رہے ہیں؟ کیا اس طریق سے عوام کو عرس کی ترغیب نہیں دی جارہی حالانکہ اب تو بنسبت پہلے کے مفاسد میں اس درجہ کا زور شور ہے کہ کسی تاویل سے بھی انعقاد عرس کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔

علم عظیم: انعقاد مجلس میلاد اور عرس وغیرہ کے متعلق' حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کی سوانح تذکرۃ الرشید حصہ اول میں قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خط و کتابت شائع ہو چکی ہے جس میں ان مسائل پر مفصل بحث کی گئی ہے اور آخر کار حضرت تھانویؒ نے اپنے سابقہ موقف سے واضح طور پر رجوع فرمالیا تھا۔'' [تحفظ عقائد اہل سنت: ۲۲۲۔۲۲۳]

''ماہنامہ ''حق چار یار'' کے سابقہ شماروں میں قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات اور شیخ العلماء حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی محققانہ تصنیف ''براہین قاطعہ'' سے یہ ثابت ہو گیا کہ مروجہ محافل میلاد اور عرس بدعت ہیں۔'' [تحفظ عقائد: ۲۲۶]

''حضرت گنگوہی سے لے کر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ اور قطب زماں حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ حضرت رائے پوریؒ تک کسی بزرگ نے ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' پر عمل نہیں کیا۔ یعنی نہ کسی بزرگ کا عرس کیا اور نہ ہی میلاد کی محفلیں منعقد کیں۔'' [تحفظ عقائد: ۳۹۵]

''ذکر ولادت نبوی مندوب ہے اور اس کے لئے تداعی اور اہتمام ناجائز ہے، لیکن وعظ و تقریر اور تبلیغی جلسوں کا یہ حکم نہیں ہے کیونکہ ان کا تعلق تبلیغ دین سے ہے۔ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہی نے اپنے مکتوب میں تحریک خدام اہل سنت کی طرف سے ''سنی کانفرنس بھیں''...... ''رحمت للعالمین کانفرنس چکوال'' اور دوسرے جماعتی تبلیغی دوروں کو 'محفلِ میلاد' پر قیاس کر کے اعتراض کیا ہے، جو صحیح نہیں۔ کیونکہ کانفرنس اور جلسہ کے عنوان سے کوئی شخص بھی ''عرس'' اور ''انعقادِ محفلِ میلاد'' مراد نہیں لیتا۔ اکابر علمائے دیوبند بھی جلسے کرتے رہے ہیں۔ جمعیت علمائے ہند کی بڑی بڑی کانفرنسوں سے شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے خطاب کیا ہے۔ دیوبند میں صد سالہ عظیم الشان اجتماع بھی ہوا تھا۔ اس میں تداعی بھی تھی اور اشتہارات بھی تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان حضرات نے نہ کبھی کسی بزرگ کا عرس کیا ہے نہ ہی مجالس میلاد منعقد کی ہیں۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ سمجھنے کی کوشش کریں۔'' [تحفظ عقائد اہل سنت: ۴۰۸]

قبلہ اول کی پکار

یہودیوں کے دیرینہ منصوبے کی تکمیل کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے امریکی صدر نے بیت المقدس کو اسرائیل کا دارالحکومت قرار دے دیا ہے۔ اور ایک دو کے علاوہ دنیا بھر میں ۵۵/سے زائد اسلامی ممالک کے سربراہان زبانی جمع خرچ سے زیادہ کوئی اقدام کرتے دکھائی نہیں دے رہے۔

جہاد کا نام لو تو نام نہاد ''دانش ور'' یک زبان ہو کر چلّاتے ہیں: ''حالات ٹھیک نہیں ہیں۔'' اِن عقل بندوں سے پوچھنا چاہیے کہ: کیا جہاد ''ٹھیک حالات'' کے لیے مشروع ہوا ہے؟ آخر کب تک مسلمان حکمران جہاد سے جان چرائیں گے؟ اور آخر کب تک ہمارے دینی نما سیاسی راہ نما قوم کو یہ سبق پڑھائیں گے کہ: ''اَب ہر مسئلے کا حل ووٹ کی طاقت ہے۔'' ایسے حضرات سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ ذرا کشمیر و فلسطین کا مسئلہ تو حل کرا دیں۔ پوری دنیا آپ کے نظریہ ووٹ کی حامی ہے۔

اللہ تعالیٰ قبلہ اول کی حفاظت فرمائیں اور امت مسلمہ کو اپنا فریضہ احسن انداز میں انجام دینے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

یوم یکجہتی کشمیر

۵/فروری کو پاکستانی قوم ایک اور یومِ کشمیر منا کر فارغ ہوگئی۔ اور کشمیری بے چارے ابھی تک کرفیو اور دیگر انسانیت سوز مظالم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ نجانے ہمارے بے دین، احمق اور بزدل حکمرانوں کو یہ حقیقت کیوں سمجھ نہیں آتی کہ: کشمیر کا جو حصہ آزاد ہے، جہاد کی برکت سے ہے، اور جو مقبوضہ ہے جہاد کی برکت سے ہی آزاد ہو سکتا ہے۔ لہٰذا پیش قدمی کر کے کشمیر کو مکمل طور پر آزاد کرانا افواج پاکستان اور حکومت پاکستان کا فرض ہے۔ اب یا تو خود ہمت و غیرت کریں یا مجاہدین کا راستہ کھلا چھوڑ دیں۔

بدقسمتی سے ہمارے ملک کی وزارتِ عظمیٰ کی باگ ڈور ایسے شخص کے ہاتھ میں دی گئی ہے جو علی الاعلان کہتا ہے کہ: ''جہاد، اور کشمیر میں فوج بھیجنے کی باتیں کشمیریوں سے غداری ہے۔'' حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ بیان بذاتِ خود نہ صرف پاکستان و کشمیر بلکہ دین اسلام سے بھی غداری کے مترادف ہے۔ ایسے بددین حکمرانوں کے ہوتے ہوئے کیا اُمید رکھی جا سکتی ہے؟ اللہ پاک ان کو ہدایت نصیب کرے، ہدایت ان کے مقدر میں نہ ہو تو ان کے شر اور تسلط سے امت مسلمہ کو نجات عطا فرما کر دین دار، مخلص، بہادر اور عقلمند قیادت نصیب فرمائیں۔ آمین

آن لائن تدریس قرآن کی اکیڈمیاں......اور ’’کُلّمَا‘‘ کی طلاق

گزشتہ دس بارہ سال سے آن لائن تدریس قرآن کا سلسلہ زور پکڑ رہا ہے۔ جس میں گھر بیٹھے ’بیرون ملک‘ خصوصاً ترقی یافتہ سمجھے جانے والے ممالک میں مقیم پاکستانیوں یا دیگر مسلمانوں کے بچوں کو تھوڑی دیر قرآن پاک پڑھا کر ماہانہ ہزاروں روپے وصول کیے جاتے ہیں۔ بندہ کے مشاہدہ اور معلومات کی حد تک پڑھانے والوں کی اکثریت کا مقصد قرآن مجید کی ترویج واشاعت نہیں صرف پیسہ کمانا ہوتا ہے۔ لہٰذا زیادہ رقم کے چکر میں جگہیں تبدیل کرنا، ناجائز حربے اختیار کرنا، دھوکے اور فراڈ کا راستہ اپنانا اور اِس سب پر ’’خدمتِ قرآن‘‘ کا عنوان چسپاں کرنا معمول بن چکا ہے۔ اَب یہ سلسلہ شخصی اور انفرادی حیثیت سے بڑھ کر اکیڈمیوں کی شکل اختیار کر چکا ہے۔

گزشتہ سال ایک صاحب نے بتایا کہ اسلام آباد میں ایک صاحب نے اِسی قسم کی تدریس کے لیے ایک اکیڈمی کھول رکھی ہے، بیرون ملک مقیم لوگوں سے رابطہ صرف منتظم کا ہوتا ہے، جو وہاں انفرادی یا درسگاہ کی صورت میں طلبہ کا انتظام کرکے یہاں اُن کے لیے مدرس مہیا کرتا ہے۔ اکیڈمی میں پڑھانے کے لیے جسے مدرس یا استاذ رکھا جاتا ہے اُس سے ایک فارم پر حلفیہ بیان لیا جاتا ہے کہ: ’’میں نے اگر کسی طالب علم یا اس کے اہل خانہ سے از خود رابطہ کیا (بالفاظ دیگر اکیڈمی سے ہٹ کر اسے قرآن پڑھانے کی پیشکش کی) تو جب بھی میں نکاح کروں میری بیوی کو **کُلّمَا** کی طلاق۔‘‘ اِس حلفیہ بیان کے بعد ۸/۱۰ گھنٹے پڑھانے والے استاذ اور مدرس کو ماہانہ چند ہزار دے کر، پڑھنے والوں سے خود لاکھوں روپے حاصل کیے جاتے ہیں۔ پڑھانے والے اساتذہ کے ساتھ ذِلت آمیز رویہ اور کئی کئی سال تک اُن کی تنخواہ میں اضافہ نہ کرنا اس پر مستزاد ہے۔

دوسری طرف پڑھانے والے بھی قرآن پاک کی خدمت کا جذبہ کم اور ’موٹی رقم‘ جمع کرنے کا لالچ زیادہ رکھتے ہیں، اس لیے وہ بھی ایسے خلافِ شریعت معاہدے کرنے کے بعد زیادہ مال کے لالچ میں اکیڈمی کے ذمہ دار کو ’جائز دھوکہ‘ دینے کے لیے فکر مند اور دارالافتاؤں کے چکر لگاتے رہتے ہیں۔

چند دِن قبل ایک جاننے والے نے اسی نوعیت کی اپنی آپ بیتی سنائی۔ جس سے یہ احساس ہوا کہ علماء ومشائخ، بالخصوص حفظ وناظرہ اور درس نظامی کے اساتذہ کرام کو اِس حوالے سے طلباء کرام کی تربیت پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ نیز ایسی اکیڈمیاں قائم کرکے طلبہ کو اپنی ’’مالی فیکٹری‘‘ سمجھتے ہوئے کسی دوسرے کو اُن سے رابطہ کرنے تک سے روکنا، استاذ اور شاگرد کے مقدس رشتے کی توہین کرنا، کلما کی طلاق کی شرطیں لگانا یقیناً قابل تعزیر جرم ہے۔ اکابر مفتیان کرام کو اِس حوالے سے واضح فتویٰ جاری کرنا چاہیے۔ تاکہ خدمتِ قرآن کے نام پر ہونے والے اِس گھناؤنے کاروبار کے سدِباب کے لیے ذمہ داری پوری کی جاسکے۔

شیخ التفسیر والحدیث مولانا منظور احمد نعمانی مدظلہم کو پے در پے صدمات

استاذِ مکرم حضرت نعمانی مدظلہم کے حالات وملفوظات وغیرہ ''صفدر'' کے صفحات کی زینت بنتے رہتے ہیں۔ استاذِ محترم کا علمی رسوخ، بالخصوص تفسیر، نحو اور اَدب میں بے مثال مہارت، قرآن پاک سے والہانہ لگاؤ، دینی غیرت وحمیت، مسلکی تصلب، اکابر اہل سنت دیوبند پر مضبوط اعتماد، سادگی و للّٰہیت، **رحماء بینھم و أشداء علی الکفار** کا مظہر مزاج، پیرانہ سالی کے باوجود عزم جواں اور ہمت بے پایاں اور ان جیسی دیگر عظیم الشان صفات اُن کو اپنے ہم عصروں میں ممتاز اور انبیاء کے حقیقی وارث ہونے پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہیں۔ ''أشد الناس بلاء الانبیاء، ثم الامثل فالامثل.'' کے مصداق استاذِ مکرم جہاں علم وعمل اور دینی وعلمی مزاج وخدمات میں انبیاء کی وراثت سنبھالے ہوئے نظر آتے ہیں، وہیں پے در پے صدمات میں صبر وشکر اور تسلیم ورضا کی تصویر بنے بھی دکھائی دیتے ہیں۔

۱۔ آج سے تقریباً دس سال قبل استاذِ مکرم کے درمیانے فرزند جناب قاری خلیل الرحمٰن رحمہ اللہ انتقال فرما گئے۔ مرحوم قاری صاحب گوجرانوالہ میں رہائش پذیر اور خدمت قرآن میں مصروف تھے۔ گاہے گاہے حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری کی سعادت بھی حاصل کرتے رہتے تھے۔ ۲۰۱۱ء میں تین فرزند اور تین ہی بیٹیاں چھوڑ کر اللہ کو پیارے ہوگئے۔ تب سے اُن کے اہل وعیال استاذِ مکرم مدظلہم کی کفالت میں ہیں۔

۲۔ فرزندِ اَرجمند کی وفات کے تقریباً دو سال بعد ۲۰۱۳ء میں استاذِ مکرم کی دوسری اہلیہ وفات پا گئیں۔ مرحومہ کی اولاد میں ۲ر بیٹے (مولانا زاہد مسعود نعمانی اور مولانا ساجد نعمانیؒ) اور ۲ر بیٹیاں شامل ہیں۔

۳۔ گزشتہ سال ۱۸ر مارچ ۲۰۱۹ء کو استاذِ مکرم کے بڑے فرزند مولانا حفظ الرحمٰن رضائے الٰہی سے انتقال فرما گئے۔ مرحوم ٹانگوں سے معذور تھے، مگر کتب بینی سے بے حد شغف تھا، گاؤں ہی میں رہائش پذیر تھے، استاذِ مکرم فرماتے ہیں: جب بھی گاؤں جانا ہوتا، کسی نہ کسی کتاب کے مطالعہ میں ہی مگن نظر آتا تھا۔ اور نیکی وتقویٰ کا یہ عالم تھا کہ استاذِ مکرم اُن سے اپنے لیے بطورِ خاص دعا کروایا کرتے تھے۔ اشراق کے نوافل پڑھتے ہوئے سجدہ کی حالت میں جان اللہ رب العزت کے سپرد کر دی۔

۴۔ فرزند اکبر کی وفات کے تقریباً ۹ر ماہ بعد استاذِ مکرم کی پہلی اہلیہ ابھی اللہ کو پیاری ہوگئیں، جن کی اولاد میں ۴ر بیٹے (مولانا حفظ الرحمٰن مرحوم، قاری حماد اللہ صاحب، قاری قمر دین صاحب، قاری خلیل الرحمٰن مرحوم) شامل ہیں۔

۵۔ اہلیہ کی رحلت کے تقریباً بیس (۲۰) دن بعد مؤرخہ ۱۰ر جنوری بروز جمعۃ المبارک شام کے وقت استاذِ مکرم کے سب سے چھوٹے فرزند بھائی ساجد نعمانی رحمہ اللہ بھی تیس (۳۰) سال کی عمر میں اللہ کو

پیارے ہو گئے۔

۱۹۳۶ء کی پیدائش کے حساب سے اُستاذِ مکرم کی عمر اِس وقت تقریباً ۸۵ر سال ہے۔ سفر وحضر میں خادم کی ضرورت رہتی ہے۔ کئی سال ساجد بھائی کو استاذِ مکرم کی خدمت کا بے تحاشا موقع ملا، مدرسہ کے امور اور دیگر دینی معاملات میں گویا استاذِ مکرم کے دست و بازو تھے۔ چند سال سے گردے کے عارضہ میں مبتلا تھے۔ اور دوست احباب سے کہتے رہتے تھے کہ: بس! اب میری زندگی کے تھوڑے دن باقی ہیں۔ علاج کے سلسلہ میں کچھ عرصہ کراچی بھی مقیم رہے، رحیم یار خان تو آنا جانا لگا ہی رہتا تھا۔ انتقال بھی رحیم یار خان میں ہوا۔ بیماری کے ایام میں بھی مسجد و مدرسہ کے تعمیری امور میں ساجد بھائی کی خاص دلچسپی تھی اور اور اس کے لیے مسلسل بھاگ دوڑ کرتے رہتے تھے۔ اپنے مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں کلیدی کردار ساجد بھائی مرحوم کا ہی ہوتا تھا۔

کچھ عرصہ قبل (۲۰۱۷ء کے وسط میں) ساجد بھائی نے واٹس ایپ اور ٹیلی گرام پر تفسیر قرآن سے متعلق سوال و جواب کا مجموعہ بنایا، جس میں اہل علم سوال کرتے اور استاذِ مکرم اُن کے جوابات ارشاد فرماتے تھے۔ انتہائی مفید علمی سلسلہ تھا، جس سے ہند و پاک اور دیگر ممالک کے بیسیوں اہل علم استفادہ کرتے رہے۔ اس کا سارا ثواب اِن شاء اللہ ساجد بھائی کے نامہ اعمال میں موجود ہے۔ پھر ساجد بھائی کی علالت آڑے آ گئی اور وہ سلسلہ مزید جاری نہ رہ سکا۔

دورۂ تفسیر کے دوران بندہ نے کراچی میں ساجد بھائی کے ساتھ بہت وقت گزارا، کھانا وغیرہ اکٹھے ہی کھاتے۔ کبھی سفر بھی ایک ساتھ ہوتا تھا۔ ظاہر پیر میں استاد جی کے ہاں جب بھی حاضری ہوتی، ساجد بھائی سے ملاقات ضرور ہوتی تھی۔

استاذِ مکرم کی دینی حمیت و غیرت اور تصلب دین دشمنوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتا، تنگ کرنے کی خاطر استاد جی کے دست و بازو ساجد بھائی کا نام ”فورتھ شیڈول“ میں ڈال دیا گیا۔ اِس سلسلہ میں ساجد بھائی نے بارہا لاہور کے چکر لگائے، بعض اوقات بندہ کو سرکاری دفاتر بھیجا، معلوم نہیں ساجد بھائی کا مسئلہ حل ہوا یا صرف اُن کی شدید بیماری کے پیش نظر خاموشی اختیار کی گئی، مگر دفاتر کے چکر لگانے سے اتنا اندازہ ہو گیا کہ ملک میں قانون نام کی کوئی چیز نہیں۔ غریب' بالخصوص دین دار اور خصوصاً دیوبندی کی نہ صرف یہ کہ کہیں کوئی شنوائی نہیں بلکہ اسے رُسوا اور زِچ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا جاتا۔ عدل و انصاف کے تمام دروازے اس کے لیے بند کیے جا چکے ہیں، اور اسے ہر طرح سے ظلم کی چکی میں پیس کر اس پر زمین تنگ کرنا گویا اِس وطن کے رکھوالوں کا سب سے بڑا اور بنیادی مقصد بن چکا ہے۔ فإلى الله المشتكىٰ

ساجد بھائی سے آخری رابطہ اُن کی وفات سے محض ۱۰ر دن قبل یکم جنوری ۲۰۲۰ء کو ہوا جب اُن

کی بڑی والدہ کی تعزیت کے سلسلہ میں استاذِ مکرم کی خدمت میں حاضری دینے کا ارادہ کیا، تو حسبِ سابق استاذِ مکرم کی موجودگی اور معمولات وغیرہ کا اُنہی سے معلوم کیا۔ مگر ۲ رجنوری کو گاڑیوں کی ہڑتال کے باعث یہ حاضری نہ ہو سکی۔ اور دس یوم بعد ساجد بھائی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ ساجد بھائی سمیت تمام مسلمانوں کی جملہ حسنات کو قبول فرمائیں اور سیئات سے درگزار فرمائیں۔ استاذِ مکرم کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔ آمین۔

حضرت حافظ محمد شفیق صاحب مرحوم کا سانحہ ارتحال

امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے فرزند نسبتی، برادر مکرم مولانا داؤد خان نوید زید قدرہ کے والد گرامی، ہمارے پھوپھا جان حضرت حافظ محمد شفیق صاحب رحمہ اللہ مؤرخہ ۹ رجمادی الثانیہ بمطابق ۴ رفروری بروز منگل رضائے الٰہی سے انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پھوپھا جی مرحوم ومغفور صوم وصلاۃ حتیٰ کے تہجد کے بھی انتہائی پابند، سادہ مزاج، درویش منش انسان تھے، ایثار اُن میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، خاندان بھر میں کبھی کسی کو اُن سے کوئی شکایت نہیں پہنچی، حقوق العباد کا بے حد خیال رکھتے اور دوسروں کی ضروریات کو ہمیشہ ترجیح دیتے تھے، صبر وشکر کی عملی تصویر تھے، بچوں کی دینی و مذہبی ذہن سازی نہایت عمدہ اور غیر محسوس انداز میں کرتے تھے، روزانہ قبرستان جاتے، ایصالِ ثواب کا اہتمام بھی باقاعدگی سے کرتے تھے۔ آٹھ دس سال قبل اُن کی ایک بیٹی وفات پا گئی تھیں، اُن کی قبر پر روزانہ تلاوت کیا کرتے تھے۔ اُسی بیٹی کے پاس تدفین بھی عمل میں آئی۔

ماشاء اللہ پھوپھا جی کی تمام اولاد علم دین کی دولت سے مالا مال ہے۔ بیٹے (مولانا داؤد خان نوید) اور تین بڑی بیٹیوں نے تو ماشاء اللہ درس نظامی مکمل کیا۔ مولانا داؤد نوید جامع مسجد خالد بن ولید، اسعد کالونی گوجرانوالہ میں امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ اور اہلیہ محترمہ (یعنی ہماری پھوپھو جان ادام اللہ ظلہا) نے بھی گھر میں بچیوں اور چھوٹے بچوں کو قرآن پاک پڑھانے کا سلسلہ شدید بیماری وعلالت کے باوجود تسلسل سے جاری رکھا۔ اللہ پاک ان کی خدمات کو قبول ومنظور فرمائیں۔ آمین

پھوپھا جی مرحوم ومغفور کے گھرانے نے ماشاء اللہ حضرت دادا جی رحمہ اللہ کی خدمت کا حق ادا کیا۔ ایک طویل عرصہ تک تو گویا پورا گھرانا ہی حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کی خدمت کے لیے وقف رہا۔ اور حضرت رحمہ اللہ کی خدمت ودعائیں اور برکات سمیٹنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اللہ پاک حضرت پھوپھا جی رحمہ اللہ کی کامل مغفرت فرمائیں، آخرت کی تمام منازل آسان فرمائیں، درجات بلند سے بلند تر فرمائیں اور جملہ پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔ آمین

☆......☆......☆......☆

تحریر: مولانا مفتی عبیدالرحمٰن، مردان
ترجمہ از عربی: مولانا عادل رضا

عقائد کے باب میں خبر واحد کی حجیت کا دائرہ کار

علمی نوعیت کے مسائل میں اختلاف کا پیش آنا کوئی انوکھی بات نہیں، یہ ہر دور میں ہوتا رہا ہے، اور جب تک سمجھ بوجھ باقی ہو یہ اختلاف باقی رہے گا، تاہم علمی اختلاف میں حد سے تجاوز، مدمقابل کے ساتھ انصاف سے پیش نہ آنا، اس کو فاسق بدعتی گمراہ کہنا وغیرہ بعض ایسے عناصر ہیں جن کی وجہ سے بسا اوقات بات مشکل ہو جاتی ہے، اختلاف بے مقصد رہتا ہے، اور اختلاف جسے رحمت کہا گیا ہے زحمت بنتا ہے، جس کا آئے روز ہم اپنے معاشرے اور ماحول میں مشاہدہ کرتے ہیں، چنانچہ اب جس مسئلہ کے بارے میں چند معروضات پیش کی جاتی ہیں اس میں بھی اختلاف کا یہ عالم ہے کہ معاصر اہل علم کے درمیان اس میں زیادہ بحث ومباحثہ اور حد سے تجاوز بلکہ غلو کی نوبت پیش آئی، کئی ایک کتابیں لکھی گئیں، مدمقابل کو زیر کرنے، اسے بدعتی کہنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی۔

چنانچہ اس موضوع پر لکھی گئی چند ابحاث اور رسائل دیکھنے کا اتفاق ہوا جن میں خبر واحد کو عقائد کے باب میں حجت تسلیم نہ کرنے کو بدعت شرعیہ کہا گیا ہے، اس بات کے عقیدہ رکھنے والے اصولیین کو بدعتی اور اپنی رائے کو نصوص پر بالاتر سمجھنے والا قرار دیا گیا۔

نمونہ کے طور پر چند اقوال پیش کیے جاتے ہیں:

دیارِ عرب کے مشہور غیر مقلد عالم ناصر الدین البانی ”اعتقادات میں خبر واحد سے استدلال نہ کرنا اور اسے دلیل نہ سمجھنا بدعت ہے۔“ اس عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

”خبر واحد کے ذریعے دین کے تمام شعبوں میں خواہ وہ اعتقادات ہوں یا اعمال، استدلال اور دلیل پکڑنے پر کتاب اللہ سنتِ رسول صحابہ کرامؓ کا طرز عمل اور علماء کے اقوال واضح طور پر دلالت کرتی ہیں، اس بارے میں عقیدہ اور عمل کے درمیان تفریق کرنا بدعت ہے، جس سے سلف صالحین ناواقف تھے، حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: عقیدہ اور عمل کی یہ تفریق محض باطل ہے، کیونکہ سلف صالحین ہمیشہ سے خبر واحد سے عقائد اور اعمال میں سے ہر ایک پر استدلال کرتے آئے ہیں۔ لہٰذا جو لوگ عقیدہ اور عمل کے درمیان تفریق کرتے ہیں اس مسئلہ میں ان کے پیشواہ کوئی بھی (معتبر شخصیت) نہیں، البتہ بعض وہ متاخرین متکلمین جسے کتاب اللہ اور سنت رسول سے کوئی علاقہ نہیں، بلکہ ان کا کام لوگوں کو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ پر چلنے سے روکنا، متکلمین کی آراء اور تکلفات کے پیچھے لگانا ہے، وہ انہی کے پیشواہ اور مقتدیٰ ضرور ہیں، اور انہی سے عقیدہ اور عمل کے درمیان تفریق کا پتہ چلتا ہے، جبکہ انہوں نے اس پر اجماع

کا دعوی تک کیا ہے، مگر جسے وہ اجماعی مسئلہ قرار دیتے ہیں نہ وہ کسی معتبر امام کا قول ہے، اور نہ کسی صحابی یا تابعی سے منقول ہے۔''

اسی طرح شیخ عبدالرحمٰن ناصر البراک عقیدہ طحاویہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

''خبر واحد کا دلیل ہونا یہ ایک اصولی اور اعتقادی مسئلہ ہے، اس بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ خبر واحد دین کے تمام مسائل خواہ اس کا تعلق عقیدہ سے ہو یا عمل سے ان سب میں حجت ہے، احادیث مبارکہ میں خبر واحد مقبول ہونے کے متعدد دلائل ملتے ہیں، من جملہ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ پیغام رساں کو اکیلے بھیج دیتے تھے، البتہ اہل بدعت متکلمین کے نزدیک خبر واحد سے عقیدہ کے مسائل میں استدلال کرنا درست نہیں، چنانچہ وہ صفات باری تعالیٰ کے بارے میں وارد اکثر خبر واحد کو اس لیے رد کر دیتے ہیں کہ وہ خبر واحد ہے، حالانکہ عقیدہ اور عمل کے درمیان فرق کرنا یعنی ایک میں دلیل سمجھنا دوسرے میں نہ سمجھنا ہی بدعت ہے۔ جس طرح دین اسلام کے فروعی احکامات خبر واحد کے ذریعے ثابت ہوتے ہیں اسی طرح اعتقادات بھی خبر واحد سے ثابت ہوسکتے ہیں، جو احادیث شرعی مسائل یعنی حلال حرام کے ثبوت میں دلیل بننے کے قابل ہیں ان سے اعتقادی مسائل بھی ثابت ہوسکتے ہیں۔ نیز واضح رہے کہ اہل بدعت کا مقصد صرف خبر واحد کے ثبوت میں احتیاط کا راستہ اختیار کرنا نہیں، بلکہ اصل مقصد اپنے مقررہ اصول کی مخالف بات کو ٹھکرانا ہے، اس میں جس حد تک وہ رد کر سکتے ہیں خبر واحد کا بہانہ بنا کر رد کرنے میں دریغ نہیں کرتے، اور کہتے ہیں کہ اس کے ذریعے عقائد ثابت نہیں ہوسکتے، اب پوچھنا یہ ہے کہ جب خبر واحد متواتر طریقے سے ثابت ہو تب یہ حضرات کیا کریں گے؟ یہی وہ اُصولی غلطی ہے جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے کلام اور رسول اللہ ﷺ کی اکثر احادیث کے ساتھ کھیلتے ہیں، چنانچہ ان حضرات نے صفات باری تعالیٰ کے بارے میں وارد نصوص کو رد کیا اور عقلی شبہات کی وجہ سے اس کا انکار کیا، جنہیں وہ اپنی گمان کے مطابق دلائل سمجھتے ہیں۔''

[شرح العقيدة الطحاوية للبراك، دار التدمرية:۲۳۲]

یہ ان ناقدین کی انصاف اور حق پرستی کا ایک معمولی سا نمونہ تھا جسے آپ نے ملاحظہ فرمایا، لاحول ولاقوۃ الا باللہ، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین

یہاں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ بالفرض اگر ان ناقدین کی بات درست بھی ہوتی، تب بھی اس نوعیت کے مسائل میں انصاف واعتدال کا دامن پکڑنا چاہیے تھا اور لب کشائی سے پہلے یہ سوچنا چاہیے تھا کہ اس مسئلہ میں ہمارا مد مقابل اہل اسلام کے فقہاء، محدثین اور اصولیین وغیرہ کی ایک بڑی جماعت ہے، جب اس مسئلہ میں متقدمین اہل علم کے درمیان اختلاف ہے، جس میں زیادہ تشدد نہیں کرنا چاہیے۔

جمہوراہل علم کی انصاف پسندی:

جمہوراہل علم نے اس مسئلہ میں ہمیشہ انصاف کا دامن پکڑے رکھا، بلا وجہ کبھی بھی اپنے مدمقابل کو گمراہ یا بدعتی نہیں کہا، نہ زبان درازی سے کام لیا: اورنہ یہ کہا کہ ان کا مدمقابل اکثر فرامین فخر عالم ﷺ کورد کرنے والا ہے اوراس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

ایک ضروری تنبیہ:

اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ کسی مسلمان کو بلاوجہ بدعتی اور فاسق کہنا کتنی جرأت اور خطرے کی بات ہے، کسی مسلمان پر فاسق یا بدعتی کا حکم لگانا تب درست ہے جب باوثوق ذرائع سے اس کا فاسق اور بدعتی ہونا معلوم ہو، خصوصا جب مدمقابل جمہوراہل علم کی جماعت ہو، امت کے برگزیدہ فقہاء محدثین اہل تقوی بزرگ ہوں، اس قسم کے مواقع میں یہ حکم لگانا اور بھی مشکل کام ہے، چنانچہ یہ مسئلہ اس وجہ سے بھی اہمیت کا حامل تھا، اس لیے آئندہ سطور میں اس کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے:

اصل مسئلہ کی وضاحت:

آپ ﷺ کا جوقول وفعل صحیح طور پرنقل ہووہ اپنی جگہ حجت اوردلیل ہے، اسے بروئے کار لانا اور دل وجان سے تسلیم کرنا لازم ہے، خواہ اس فرمان کا تعلق اعمال واعتقاد سے ہو، یازندگی کی کسی اور شعبے سے، یہ بات بالکل واضح ہے، اس میں کسی معتبر اہلِ علم کا شاید کوئی اختلاف نہیں، اورنہ ہم حجیت حدیث کے بحث میں اُلجھنے کی زحمت کرتے ہیں، کیونکہ یہ بات فریقین کے درمیان مسلم ہے، لہٰذا اس میں بحث ومباحثہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

پھرآپ ﷺ سے نقل اورثبوت کے اعتبار سے حدیث کی کئی قسمیں ہیں:

۱:خبرمتواتر ۲:مشہور ۳:خبرواحد۔

خبرمتواتر وہ حدیث ہے جوآپ ﷺ کے عہد مبارک سے تدوین حدیث کے زمانے تک اتنے لوگ نقل کرتے آئے ہوں جن کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو، حدیث کی اس قسم کومتواتر کہا جاتا ہے، اگرکوئی حدیث آپ ﷺ کے زمانے میں اس قدر نقل نہ ہو بعد کے ادوار میں متواتر کی طرح پھیل جائے اسے خبرمشہور کہا جاتا ہے، جیسا کہ حنفیہ کی اصطلاح ہے، اورجو روایت نہ قرن اول میں تواتر کے ساتھ منقول ہو، نہ اس کے بعدوالے اَدوار میں، اسے خبرواحد کہا جاتا ہے۔

متواتر کا حکم یہ ہے کہ اس سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے، البتہ خبرمشہور کے بارے میں علماء کی آراء مختلف ہیں کہ آیا وہ بھی خبرمتواتر کی طرح علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے یا نہیں؟ حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ وہ علم یقینی کا فائدہ تونہیں دیتی تاہم اس کے ذریعے علم طمانیت حاصل ہوتا ہے، جمہوراُصولین کے نزدیک خبر

مشہور بھی متواتر ہی کی ایک قسم ہے اور اسی طرح علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے اس کے مقتضی پر یقین کرنا اور عمل کرنا واجب ہے۔

خبر واحد کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے، جمہور محدثین فقہاء اور اُصولیین کے نزدیک خبر واحد سے یقین حاصل نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ خبر متواتر اور مشہور سے درجہ میں کم ہے، البتہ کچھ نہ کچھ علم کا فائدہ ضرور دیتی ہے اگر وہ درست طریقے سے ثابت ہوتو اس کے مقتضی پر عمل کرنا بہر حال واجب ہے، یہ جمہور اہل علم کا مسلک ہے، اس کے بالمقابل بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ خبر متواتر، مشہور اور خبر واحد سب کا ایک ہی درجہ ہے، یعنی جو حدیث بھی محدثین کے قواعد کے مطابق درست اور صحیح سند کے ساتھ نقل ہو، اسے ماننا واجب ہے، اور اس کے ذریعے عقیدہ اور عمل دونوں کا اثبات درست ہے، چنانچہ یہ حضرات اس باب میں خبر واحد، خبر مشہور اور متواتر کے درمیان کچھ فرق نہیں کرتے، اور یہی حافظ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید حافظ ابن القیم رحمہما اللہ کا موقف ہے۔

بہر حال یہ ہے اس مسئلہ کی مختصر وضاحت۔ جو لوگ حضرات اصولیین وغیرہ کے اصطلاحات وغیرہ سے ناواقف تھے ان کا خیال ہے کہ اصولیین خبر واحد کو سرے سے دلیل ہی تسلیم نہیں کرتے، اور عقیدہ کے میدان میں قیاس کو اس پر فوقیت دیتے ہیں، اس پر مستزاد یہ کہ ان کے خیال میں حضرات متکلمین اپنے عقائد کی بنیاد محض عقل پر رکھتے ہیں، اور اس بارے میں احادیث کو خاطر میں بھی نہیں لاتے، الّا یہ کہ وہ ان کے عقل اور رائے کے موافق ہو، گویا ان حضرات کے نزدیک حضرات متکلمین عقیدہ کے میدان میں نقل کو کچھ اہمیت ہی نہیں دیتے، یہی ان کی اصلی غلط فہمی ہے، جب انہیں یہ غلط فہمی لاحق ہوگئی تو آگے جا کر اسی کے بنیاد پر وہ جمہور امت کو بدعتی فاسق وغیرہ القابات سے نوازنے لگے، جس کا مختصر سا نمونہ آپ نے پہلے ملاحظہ فرمایا۔

اصولیین کے کلام میں اشتباہ پیدا ہونے کی وجہ:

جو حضرات متکلمین یا اصولیین پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ خبر واحد کو رد کرتے ہیں، اور اس پر عقل کو فوقیت دیتے ہیں، دراصل اس غلطی کی بنیاد یہ ہے کہ ان حضرات نے اصولیین کے کلام کو پوری طرح سمجھا نہیں، اسی طرح ان کا مقصد کلام معلوم کرنے کی کوئی معتد بہ کوشش نہیں کی، بات یہ ہے کہ متکلمین تعریف میں جو لفظ ''علم'' کا استعمال کرتے ہیں اس سے مراد ''یقین'' ہوتا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہاں کل چار چیزیں ہیں:

۱:یقین، ۲:ظن غالب، ۳:شک اور ۴:وہم۔

ان میں سب سے پہلے یقین کا درجہ ہے۔ یقین وہ ہے جس میں شک، جھوٹ اور غلطی کا احتمال نہ ہو۔

دوسرے نمبر پر ظن غالب ہے جس میں خبر دینے والے کی سچائی کا پہلو غالب ہو، البتہ شک کا احتمال

پھر بھی برقرار رہتا ہے۔

تیسرا درجہ شک درجہ ہے جس میں گمان دونوں طرف برابر ہو، کسی ایک طرف کو ترجیح حاصل نہ ہو۔

چوتھے نمبر پر وہم ہے جس میں جھوٹ کا پہلو غالب ہو۔

لہٰذا اُصولیین خبر واحد کے بارے میں جو یہ کہتے ہیں ” لا یفید العلم“ کہ وہ علم کا فائدہ نہیں دیتی اس سے مراد ’یقین‘ ہوتا ہے، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ کسی چیز کا فائدہ نہیں دیتی، اور بہرحال مردود اور دلیل بننے کے بالکل قابل نہیں۔جن حضرات نے اصولیین و متکلمین پر بے جا تنقیدات کی ہے ان کی غلطی کی بنیاد بھی اسی بات پر غور نہ کرنا ہے۔

اصولیین کا اصل موقف:

اصولین کا موقف یہ ہے جو بات آپ ﷺ سے درست طریقے سے نقل ہو اس کی سند بھی صحیح ہو تو اس کے مقتضی پر بقدر ثبوت عمل کرنا واجب ہے، خواہ اس کا تعلق عقیدہ سے ہو یا عمل سے، البتہ جب ان کا قطعیات کے ساتھ تعارض پیش آ جائے تو اول تطبیق کی کوشش کریں گے اگر تطبیق کی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو اس خبر واحد کی درست اور مناسب تاویل کی جائے گی۔

عقیدہ اور عمل کے درمیان تفریق کا فائدہ:

عقیدہ اور عمل کے درمیان فرق کا ایک مظہر’ مسئلہ تکفیر‘ ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ:

جو شخص قطعی اور یقینی دلیل کا منکر ہو اسے کافر تصور کیا جائے گا کیونکہ وہ یقینی طور پر شارع کی تکذیب کرتا ہے۔اور جو یقینی دلیل کا انکار نہ کرے جیسے خبر واحد کے ذریعے ثابت شدہ امور، اس کی تکفیر درست نہیں، کیونکہ جب ان امور کا شارع کی طرف سے ہونا یقینی نہیں تو انکار کی صورت میں شارع کی تکذیب بھی لازم نہیں آتی، اور کفر کا دارومدار شارع کی تکذیب پر ہے۔لہٰذا جو خبر متواتر کو نہ مانے وہ کافر، اور جو کسی خبر واحد کا منکر ہو اسے کافر نہ کہا جائے گا۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

”جو شخص متواتر کا انکار کرے وہ کافر ہے اور جو مشہور کا انکار کرے وہ بھی بعض علماء کے نزدیک کافر ہے، البتہ عیسیٰ بن ابان رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ وہ کافر نہیں البتہ گمراہ ضرور ہے اور صحیح بات بھی یہی ہے۔اور جو خبر واحد کا انکار کرے اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی، البتہ خبر واحد کو قبول کرنے سے انکار کی وجہ سے وہ گنہگار ہوگا۔“ [الفتاویٰ الھندیة، کتاب السیر، مطلب فی موجبات الکفر: ۲/۲۶۵]

مذکورہ مسئلہ اس قدر واضح ہے کہ گویا متقدمین اصولین اسے بدیہی سمجھتے تھے اور اس کے لیے وہ دلائل اور براہین کی بھی کچھ زیادہ ضرورت محسوس نہیں کرتے، چنانچہ جب بعض محدثین حضرات کی طرف سے

اس مسئلہ میں کچھ اختلاف رونما ہوا اور یہ دعویٰ کیا گیا کہ خبر واحد سے بھی یقین حاصل ہوسکتا ہے تب اصولیین حضرات کی طرف سے مختصر سے دلائل پیش کیے گئے، اس کے باوجود بھی انہوں نے دیگر اختلافی مسائل کی طرح اس مسئلہ میں عقلی، نقلی دلائل پیش کرنے اور زیادہ تحقیق اور تدقیق کی ضرورت محسوس نہیں کی، بلکہ صرف واحد اور خبر متواتر کے درمیان فرق ذکر کرنے پر اکتفا کر کے اتنا واضح کیا کہ خبر واحد سے علم یقینی کا حاصل ہونا کوئی ضروری نہیں۔

امام بزدوی فرماتے ہیں:

''خبر واحد کے ذریعے یقین حاصل ہونے کا دعویٰ کرنا محض باطل ہے کیونکہ یہ مشاہدہ کے خلاف ہے، کیونکہ جب خبر مشہور سے علم یقینی حاصل نہیں ہوتا خبر واحد سے کیسے ثابت ہوگا، کیونکہ خبر واحد میں کذب کا احتمال بہرحال باقی رہتا ہے اور جب احتمال باقی رہے، یقین کیسے حاصل ہوگا؟ لہٰذا جو بھی اس کا منکر ہو اس نے ناواقف بن کر عقل کھودیا، البتہ جب کئی خبر واحد ملکر متواتر کی حد تک پہنچے تب بات کی سچائی یقینی ہوجاتی ہے اور اس کی تصدیق لازمی ہوتی ہے، البتہ یہ ایک عارضی امر ہے جیسا کہ اجماع کا طریقہ کار ہے کہ اس میں بھی مختلف آراء جمع ہوکر شبہ ختم ہوتا ہے اور بات یقینی بن جاتی ہے۔''

[أصول البزدوی مع شرحہ کشف الأسرار:۳۷۵/۲]

اسی طرح امام سرخسی رحمہ اللہ بھی اس مسلک کی تردید کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''جو لوگ اس بات کے قائل ہیں، شاید انہیں دلی اطمینان اور علم یقین کے درمیان فرق معلوم نہ ہو، کیونکہ غیر معصوم افراد کے کلام میں جھوٹ کا احتمال بہرحال باقی رہتا ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اور جھوٹ کا احتمال باقی رہتے ہوئے یقین حاصل نہیں ہوسکتا، البتہ بعض قرائن وغیرہ کی وجہ سے اس میں سچائی کا پہلو غالب ہوتا ہے چنانچہ پہلے واضح ہوا کہ خبر مشہور سے یقین حاصل نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ خبر واحد سے، نیز دلی اطمینان حاصل ہونا علم کی ایک قسم ہے جسے اشتباہ قبلہ وغیرہ مسائل میں کارآمد بنایا جاسکتا ہے۔''[أصول السرخسی:۳۲۹/۱]

امام غزالی رحمہ اللہ نے بھی اس مسئلہ کو بدیہیات میں سے شمار کر کے زیادہ تحقیق کی ضرورت نہیں سمجھی، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''خبر واحد سے یقین کا حاصل نہ ہونا بالکل واضح بات ہے، کیونکہ ہم ہر سنی سنائی بات کی تصدیق نہیں کرسکتے، اگر ہم ہر سنی بات کا یقین کرتے تو جن اخبار میں تعارض پیش آتا تب کیا کرتے؟ (دونوں کے صحیح ہونے کا یقین کرنا تو ناممکن اور اجماع ضدین ہیں) ہاں بعض محدثین سے جو یہ منقول ہے کہ خبر واحد سے یقین حاصل ہوسکتا ہے شاید اس سے ان کی مراد یہ ہو کہ اس کے ذریعے کسی عمل کا یقین ہوجاتا ہے، کیونکہ ظن کو بھی ایک حد تک علم کہا جاتا ہے، چنانچہ بعض علماء کرام کا قول ہے کہ خبر واحد کے ذریعے ظاہری علم

یعنی کوئی مسئلہ ثابت ہوسکتا ہے حالانکہ علم (یقین) ایک الگ شئی ہے اس کا ظاہر اور باطن نہیں ہوتا یہ بات کہ ظاہری طور پر ثبوت ہوتا ہے یہ بات تو ظن کے متعلق ہے جس میں دونوں احتمال ہوتے ہیں۔‘‘

[المستصفیٰ، القسم الثانی فی أخبار الآحاد:۱/۱۱۶]

مذکورہ بالا نصوص سے صراحت کے ساتھ یہ بات ثابت ہوئی کہ خبر واحد سے علم یقین حاصل نہیں ہوتا، یہ جمہور فقہاء محدثین متکلمین اور اصولیین کا مسلک ہے،اور جن ناقدین نے اسے بعض اہل بدعت متکلمین کی طرف منسوب کیا ہے اس کی بات سراسر غلط اور واقع کے خلاف ہے۔

خطیب بغدادی کی رائے:

مشہور مؤرخ ومحدث خطیب بغدادی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

’’دین اسلام کے جن مسائل کا یقین کرنا بندوں کے ذمے لازم ہے اس بارے میں خبر واحد چنداں مفید نہیں کیونکہ جب خبر واحد کے بارے میں یہ بات یقینی نہیں کہ وہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے یا نہیں تو اس کے مضمون پر یقین کرنا مشکل ہے۔اس کے علاوہ باقی جو فروعی اعمال ہیں جن کے بارے ہم اس اعتقاد کے مکلّف نہیں کہ وہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جس کا آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت کو حکم دیا اس بارے میں خبر واحد مقبول ہے اور اس پر عمل کرنا لازم ہے۔‘‘

[الکفایة فی علم الروایة، باب ذکر ما یقبل فیه خبر الواحد وما لا یقبل فیه:۳۴۲]

امام ابن عبد البر المالکی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

’’مالکیہ وغیرہ کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ خبر واحد کے ذریعے اعتقادی اور فروعی (دونوں طرح کے) مسائل ثابت ہوتے ہیں یا صرف اسے فروعی اعمال میں دلیل ماننا پڑتا ہے۔اکثر اہل علم کی رائے یہ ہے کہ وہ صرف عمل کے میدان میں کارآمد ہے، یہی رائے امام شافعی اور جمہور فقہاء اور متکلمین کی بھی ہے، چنانچہ ان کے نزدیک وہ یقین کا فائدہ نہیں دیتی، البتہ اس کا شارع کی طرف سے ہونا یقینی ہو اور کچھ احتمال باقی نہ رہے تب اسے عقیدہ کے بارے میں بھی حجت تسلیم کرتے ہیں، اس کے علاوہ ایک جماعت جن میں اکثر محدثین اور بعض متکلمین حضرات ہیں ان کے نزدیک یہ علم وعمل دونوں کے اثبات کے لیے کافی ہے ان میں امام کرابیسی وغیرہ حضرات شامل ہیں جبکہ ابن خواز بنداذ کے نزدیک یہ امام مالک کی رائے کے موافق ہے۔مصنف فرماتے ہیں کہ: ہماری رائے یہ ہے کہ خبر واحد سے صرف فروعی اعمال کا اثبات ہوسکتا ہے یہ یقین کا فائدہ نہیں دیتی جیسا کہ گواہی کے مسئلہ میں دو آدمیوں اور چار آدمیوں کی گواہی شرعاً برابر سمجھی جاتی ہے (اسی طرح خبر واحد جو تواتر کی حد تک نہ پہنچا ہو اس میں ایک دو راوی اور زیادہ راوی برابر ہیں) یہی اکثر فقہاء اور محدثین کی رائے ہے۔ان سب کے نزدیک صحیح خبر' واحد طور کو عقیدہ کے اثبات کے لیے کافی ہے،اس کے ذریعے وہ اپنے خصم پر حجت اور دلیل قائم کرتے ہیں اور اسے عقائد میں اپنا مذہب اور دین سمجھتے

ہیں اور یہی اہل سنت کی یہی رائے ہے۔"[التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد:۱/۷]

امام نووی رحمہ اللہ مقدمہ مسلم کے شرح میں فرماتے ہیں کہ جمہور اہل اسلام اور سلف صالحین اس تفریق کے قائل ہیں چنانچہ آپ کی عبارت یہ ہے:

"خبر واحد وہ ہے جس میں متواتر کے شرائط موجود نہ ہوں، خواہ اس کا نقل کرنے والا ایک ہو یا زیادہ، نیز اس کے حکم میں بھی اختلاف ہے جمہور اہل اسلام صحابہ کرام تابعین اور اس کے بعد کے محدثین فقہاء اصولین سب کے نزدیک ثقہ راوی کی خبر واحد بھی شرعی حجت ہے اور اس سے عمل کا اثبات ہوسکتا ہے یہ ظن کا فائدہ دیتی ہے یقین کا نہیں۔ البتہ محدثین کی ایک جماعت کی رائے یہ کہ وہ خبر واحد جو بخاری یا مسلم میں ہیں وہ علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے اس کے علاوہ نہیں، اس قول کی تردید ہم پہلے نقل کر چکے ہیں اور اس مسئلہ میں جمہور کے علاوہ باقی لوگوں کی رائے درست نہیں۔"[شرح النووي على مسلم، باب صحة الاحتجاج بالحديث المعنعن إذا أمكن لقاء المعنعنين:۱/۱۳۱]

دیگر جن اہل علم نے یہ مسئلہ ذکر کر کے جمہور کے قول کو ترجیح دی ہے، ان میں سے ایک علامہ ابن قدامہ حنبلی بھی ہیں وہ فرماتے ہیں:

"امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے مختلف روایات نقل ہے کہ آیا خبر واحد سے علم یقینی حاصل ہوسکتا ہے یا نہیں؟ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے یقین حاصل نہیں ہوتا، اور یہی اکثر علماء کا قول ہے اور متاخرین حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے کیونکہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہم ہر سنی بات کی تصدیق نہیں کر سکتے اگرچہ وہ یقینی کیوں حاصل نہ ہو۔ کیونکہ دو متعارض اقوال کا نقل ہونا ثابت ہے اسی طرح دو بالمقابل چیزیں بیک وقت جمع ہونگی، جو کہ محال ہے نیز اس کے ذریعے قرآن کریم کی آیتوں کا اور متواتر احادیث کا منسوخ کرنا لازم آئے گا، کیونکہ یہ بھی اسی کی طرح یقین کا فائدہ دیگی، اور ایک گواہ کے ذریعے فیصلہ کرنا لازم ہوتا اور اس میں نیک اور بد برابر ہوتا جیسا کہ متواتر کا معاملہ ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے رویۃ باری تعالیٰ کے بارے میں وارد احادیث کے متعلق منقول ہے کہ اس کے صحیح ہونے کا عقیدہ رکھا جائے، اس سے مراد وہ احادیث ہوسکتی ہے جو رویۃ باری تعالیٰ کے بارے میں کثرت سے نقل ہو اور امت میں اسے پزیرائی حاصل ہوئی ہو، اور قرائن سے اس کے نقل کرنے والے کی سچائی معلوم ہوتی ہو تب ایسی صورت میں یہ متواتر کی طرح ہوگی، کیونکہ متواتر کے لیے کوئی خاص عدد لازم نہیں، اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کے نزدیک خبر واحد یقین کا فائدہ دیتی ہوں جیسا کہ یہ محدثین کی ایک جماعت اور اہل ظاہر کی رائے ہے۔"

[روضة الناظر وجنة المناظر:۱/۳۰۲]

امام بخاری کی رائے:

امام بخاری رحمہ اللہ کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اس تفریق کے قائل ہیں، اور ان کے

نزدیک بھی خبر واحد سے یقین حاصل نہیں ہوسکتا جیسا کہ اہل ظواہر اور بعض محدثین کی رائے ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنی مایہ ناز کتاب صحیح بخاری میں ایک ترجمۃ الباب قائم کیا ہے:

"باب ما جاء فی إجازة خبر الواحد الصدوق فی الأذان والصلاة والصوم والفرائض والأحكام". یعنی اذان نماز روزے، میراث وغیرہ احکام میں خبر واحد کا معتبر ہونا۔

اس ترجمۃ الباب سے اس بات پر استدلال کرنا ممکن ہے کہ امام بخاری کی رائے بھی جمہور کے موافق ہے، ورنہ ان فروعی اعمال کی تخصیص کی کیا ضرورت پیش آئی؟ شارحین نے بھی اس پر استدلال کیا ہے کہ اس ترجمۃ الباب میں امام بخاری جمہور کی موافقت فرماتے ہیں، علامہ عینی رحمہ اللہ رقم طراز ہے:

''امام بخاری کا ان چیزوں کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ خبر واحد صرف اعمال کی حد تک مقبول ہے عقیدہ کے بارے میں نہیں۔'' [عمدۃ القاری: ۱۲/۲۵]

ایک بنیادی اعتراض اور اس کا جواب:

جن ناقدین نے اصولیین پر بے جا تنقیدات کی ہیں، ان کا بنیادی اعتراض یہ ہے کہ: حدیث تو خود بخود حجت ہے، حدیث کے حجت ہونے کے لیے متواتر ہونا، مشہور ہونا کوئی ضروری نہیں، پس جس طرح متواتر احادیث کی آپ ﷺ کی طرف نسبت درست ہے اسی طرح جب خبر واحد صحیح سند کے ساتھ نقل ہو اس کی نسبت بھی آپ ﷺ کی طرف درست ہے تو پھر ایک کو عقائد کے میدان میں دلیل تسلیم کرنا اور اس سے استدلال کرنا درست اور دوسرے کو دلیل تسلیم نہ کرنا شریعت کے وسیع میدان کو تنگ کرنے اور احادیث کو بے کار سمجھنے کے مترادف ہے۔

مگر یہ اشکال بالکل بے وزن ہے کیونکہ یہ اشکال تب ہوتا جب جمہور اہل علم ان احادیث کو بالکل رد کرتے اور اسے بالکل بروئے کار نہ لاتے، مگر ایسا ہرگز نہیں بلکہ وہ وضاحت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ چونکہ عقیدہ کی بنیاد یقین اور جزم پر ہے اور یقین صرف خبر متواتر سے ہی حاصل ہوتا ہے اس لیے وہ اس باب میں حجت ہے اور خبر واحد سے چونکہ علم یقینی حاصل نہیں ہوتا اس لیے وہ عقیدہ کے باب میں حجت نہیں البتہ دیگر فروعی اعمال میں وہ اس سے حجت پکڑتے چلے آتے ہیں، اور انہوں نے بلا مبالغہ سینکڑوں مسائل اخبار آحاد سے مستنبط فرمائے ہیں۔

ایک علمی نکتہ:

یہاں یہ بات بھی جاننا ضروری ہے کہ اگر کوئی اعتقادی مسئلہ صرف کسی خبر واحد ہی میں ذکر ہو اور اس کے علاوہ اور کوئی قطعی دلیل اس مسئلہ کی موجود نہ ہو تو خبر واحد کا کیا حکم ہوگا؟ آیا وہ بالکل رد ہوگا اور اس کی طرف بالکل ہی التفات نہیں کیا جائے گا جیسا کہ ناقدین حضرات اپنے اعتراضات میں جا بجا اصولیین پر یہ

تنقید کرتے ہیں کہ وہ خبر واحد کو بالکل بے کار سمجھتے ہیں یا کیا کیا جائیگا؟

اصولیین حضرات کے کلام میں خوب غور فکر کرنے کے بعد یہ بات بخوبی واضح ہوتا ہے کہ وہ حضرات خبر واحد کو جو صحیح سند کے ساتھ نقل ہو، بالکل رد نہیں کرتے بلکہ اس کے ساتھ احتیاط والا معاملہ کرتے ہیں، اگر وہ کسی دوسرے قطعی دلیل کیساتھ متعارض نہ ہو تو یہ حضرات اس کو دلیل وحجت شمار کرتے ہیں، اس پر عمل کرنے کو بھی ضروری جانتے ہیں اور دل سے اس کا اعتقاد بھی رکھتے ہیں، البتہ قطعی ویقینی عقائد کی بنیاد جس کا منکر کافر ہو ان جیسی روایات پر نہیں رکھتے، اس کے علاوہ عقائد کے ظنی نوعیت کے مسائل میں اس سے ضرور استدلال کرتے ہیں جیسا کہ علم کلام سے دلچسپی رکھنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں۔

امام ابن فورک انصاری رحمہ اللہ کی رائے:

امام ابن فورک انصاری شافعی نے بھی مذکورہ بالا اشکال نقل کر کے یہ جواب دیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''اگر کوئی کہے جب خبر واحد سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا اور اس سے یقین حاصل نہیں ہوتا اور اس قسم احادیث میں کسی فروعی مسائل کا بھی تذکرہ نہیں ہوتا تو ان احادیث کے ساتھ کیا کریں گے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر چہ اس قسم احادیث سے علم یقینی حاصل نہیں ہوتا البتہ ظن غالب تو اس کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور ایسا کئی بار ہوتا ہے کہ حدیث سے کبھی ظن غالب حاصل ہو اور کبھی یقین، لہٰذا جب تواتر کے ساتھ نقل ہو یا اجماع یا کتاب اللہ کے قطعی آیات سے ثابت ہو تو اس سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے، البتہ اس کے ذریعے حاصل شدہ مضمون اگر خبر واحد کے ذریعے ثابت ہو جو ثقہ رواۃ سے نقل ہو تو اس کو محال نہیں سمجھا جائے گا اور ثابت ہی قرار دیا جائے گا اگر چہ وہ یقین کی حد تک نہ پہنچے۔''

[مشکل الحدیث وبیانہ:۴۹۸]

امام غزالی رحمہ اللہ کی رائے:

امام غزالی اپنی مشہور کتاب ''الاقتصاد فی الاعتقاد'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''نقلی دلیل اگر صحیح سند کے ساتھ منقول ہو اور عقلاً بھی درست ہو نیز اس میں دوسرے معنی کا احتمال نہ ہو تو اپنے مدعی پر ظنی طور پر دلالت کرے گی، اس کی تصدیق ظنی طور پر لازم ہے اگر وہ ظنی طور پر ثابت ہو کیونکہ زبانی تصدیق اور دل سے تسلیم کرنا ایسا کام ہے جس کی بنیاد ظنی دلائل پر رکھی جاسکتی ہے جیسا کہ تمام اعمال کا حال ہے۔ چنانچہ سبھی جانتے ہیں کہ تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس شخص پر رد کرنے والے تھے جو بندے کو اپنے اعمال کا خالق جانے محض اس بنیاد پر کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے، حالانکہ یہ عام ہے، جس میں تخصیص کی گنجائش ہے اور اس کا عموم ظنی ہے۔ البتہ یہ مسئلہ عقلی بنیاد پر قطعی بن گیا جس کی وضاحت ہم اوپر کر چکے، اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ صحابہ کرام عقلی مباحث میں اُلجھنے سے پہلے پہلے اس عقیدہ کے حامل پر رد کرتے تھے، مناسب یہی ہے کہ ان کے بارے میں یہ خیال نہ کریں کہ وہ عقل کو صرف

فقہی مسائل کی حدتک استعمال کرتے تھے ایسانہیں بلکہ وہ عقیدہ کے مسائل میں بھی عقل کو بروئے کام لاتے تھے۔‘‘[الاقتصاد فی الاعتقاد للغزالی، الباب الثانی:۱۱۵]

بہرحال ان جیسی نصوص سے وضاحت کے ساتھ یہ بات معلوم ہوئی کہ خبر واحد وغیرہ نقلی دلائل جب ظنی طریقے سے ثابت ہوں،تو اس کی تصدیق کرنا اوراس کے مطابق اعتقاد رکھنا واجب ہے مگر یہ یقین وقطعیت کے درجہ میں نہیں ہے، کیونکہ اس کے ثبوت میں اشکال ہوسکتا ہے،گو یہ اشکال احتمال کی حدتک ہی ہوتب بھی اس احتمال پیدا ہونے سے استدلال کمزور ہوتا ہےاور بالکل یقینی حیثیت باقی نہیں رہتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ جوحضرات خبر واحد کے بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ اس سے یقین کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا، ان کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اخبار آحاد کو بے فائدہ اور بے کار چھوڑ اجائے، بلکہ اپنی جگہ وہ دلیل وحجت ہے جس کی تفصیل ذکر کی گئی۔

امام فخرالاسلام بزدوری کی رائے:

امام فخرالاسلام بزدوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’خبر واحد اُخروی اعتبار سے کئی قسم پر ہے بعض ان میں مشہوراور بعض اس سے درجہ میں کچھ کم مگراس سے کچھ نہ کچھ یقین اور عمل ثابت ہوسکتا ہے یعنی اس بارے میں دل مطمئن ہوتا ہے (کہ یہ عقیدہ یا عمل ثابت ہے)اور یہ بھی یقین کی ایک قسم ہے کیونکہ یقین کا درجہ معلومات کے درجہ سے کچھ بڑھ کر ہے، نیز علم کے ساتھ یقین لازم نہیں (یعنی کہ جسے کسی چیز کے بارے میں علم ہو وہ اس پر یقین بھی کرے یہ کوئی ضروری نہیں کیونکہ کفار کو آپ ﷺ کا رسول برحق ہونا معلوم تھا مگر اس پر یقین نہیں تھا) جیسا کہ باری تعالی کا ارشاد گرامی ہے:’’اور غضب تو یہ تھا کہ ظلم اور تکبر کی راہ سے ان (معجزات) کے (بالکل) منکر ہوگئے حالانکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کرلیا تھا۔‘‘ اور دوسری جگہ باری تعالی کا ارشاد ہے:’’جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توراۃ وانجیل) دی ہے وہ لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ایسا پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں)۔(لہٰذا جاننے کے باوجود انہیں دلی اعتقاد کا مکلّف بنایا) چنانچہ جس طرح کسی عمل کے کرنے کا مکلّف بنانا درست ہے اسی طرح کسی چیز پر یقین کرنے کا مکلّف بنانا بھی درست ہے، چنانچہ ہمارے حنفیہ کے نزدیک عمل اور عمل کی قدرت پانے سے پہلے اس کے بارے میں وارد شدہ حکم کا منسوخ ہونا درست ہے(کیونکہ اگر چہ اس کے ذریعے عمل کا مکلّف کوئی نہ بنایا جائے صرف اعتقاد کا مکلّف تو ضرور بنے گا لہٰذا نصوص کا لغو ہونا لازم نہ آئے گا۔‘‘

علامہ بخاری تحریر فرماتے ہیں:

’’دلی اعتقاد، علم سے کچھ بڑھ کر ہے کیونکہ کبھی کبار علم دلی اطمینان کے بغیر بھی پایا جاتا ہے جیسا کہ اہل کتاب آپ کی سچائی کا علم رکھتے تھے مگر اسے دل سے تسلیم نہیں کرتے اور جیسا کہ ہمارا حال ہے کہ ہم

اپنے اصول اور فروع میں مدمقابل کے دلائل کا علم رکھتے ہیں مگر اسے دل سے تسلیم نہیں کرتے اور اسے درست نہیں سمجھتے، اور اسی طرح ان کا بھی ہمارے بارے میں یہ حال ہے، دلی اعتقاد علم کے بغیر بھی موجود ہوتا ہے جیسا کہ مقلد کا عقیدہ اور یقین کہ اسے اس کے بارے میں علم نہیں ہوتا مگر یقین پختہ ہوتا ہے۔ اس تفصیل کے مطابق خبر واحد کے ذریعے بھی اعتقاد پیدا ہوتا ہے اگرچہ وہ یقین کی حد تک نہ پہنچے، امام ابو الیسر فرماتے ہیں: جو احادیث آخرت کے بارے میں منقول ہیں اسے عمل کے میدان میں بروئے کار لایا جائے گا کیونکہ عمل کی دو قسمیں ہیں: ایک: بدنی اعمال، دوم: عقیدہ۔ اگر بدنی اعمال مشکل ہو تو عقیدہ تو رکھنا چاہیے۔ چنانچہ عذاب قبر کا ہونا ہمیں خبر واحد کے ذریعے معلوم نہیں ہوا بلکہ کتاب اللہ کے دلالۃ النص یا اشارۃ النص کے طور پر ہم معلوم کر چکے ہیں، اسی طرح چونکہ بدنی اعمال کے بغیر صرف عقیدہ کا مکلّف بنانا بھی ہوسکتا ہے، لہٰذا ہمارے علماء احناف کی رائے اس بارے میں یہ ہے کہ کسی نص پر عمل کا موقع ملنے سے پہلے بھی وہ منسوخ ہوسکتی ہے کیونکہ عمل اگرچہ نہ ہو اس کے اعتقاد کا مکلّف بنایا جاسکتا ہے۔''

[أصول البزدوی مع شرحه كشف الأسرار: ۳۷۵/۲]

امام سرخسی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''عذاب قبر وغیرہ کے متعلق جو احادیث منقول ہیں ان میں سے بعض مشہور ہیں بعض خبر واحد، جس کے ذریعے کسی چیز کے متعلق دلی اطمینان حاصل ہوتا ہے اور چونکہ کسی چیز کا اعتقاد رکھنا یا کسی عمل کا مکلّف بنانا ایک جیسا ہے یا اعتقاد کا درجہ کچھ بڑا ہے مگر اس کے ساتھ یقین لازم نہیں، چونکہ اس کے ساتھ یقین لازم نہیں اسوجہ سے باری تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توراۃ وانجیل) دی ہے وہ لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ایسا پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں)

اس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے آپ ﷺ کی حقانیت معلوم ہونے کے بعد بھی آپ ﷺ کو دل سے سچا نہ جانا، لہٰذا یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان احادیث کے ذریعے کسی عمل کا مکلّف بنانا بہر حال ہوسکتا ہے۔'' [أصول السرخسی: ۳۲۹/۱]

خلاصہ یہ کہ: جمہور اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ احادیث متواترہ سے علم یقین حاصل ہوتا ہے، اس کے علاوہ جو خبر واحد ہے چونکہ آپ ﷺ سے اس کا نقل ہونا یقینی نہیں، اس لیے اس کے ذریعے یقین حاصل نہیں ہوسکتا، جمہور کے نزدیک خبر واحد کو عقیدہ کے میدان میں دلیل نہ سمجھنے سے نہ شریعت میں کچھ تنگی نہ عقل کو نقل پر مقدم جاننا لازم آتا ہے۔ اسی طرح جن حضرات نے ان کی طرف ان افواہوں کو منسوب کیا ہے وہ درست نہیں، جمہور اہل علم کا دامن اس سے بالکل پاک ہے، ان حضرات کی رائے کے مطابق تمام احادیث (خواہ وہ اخبار آحاد ہی کیوں نہ ہوں) اپنی جگہ پر دلیل اور حجت ہیں اور یہی بات درست ہے۔

اللہ تعالیٰ فہم سلیم اور صراط مستقیم نصیب فرمائیں۔ ☆☆☆☆

شیخ الحدیث مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی مدظلہم

اللہ کے گھر کی طرف

اللہ کے فضل وکرم سے اس سال کے اواخر میں مکہ ومدینہ کی طرف سے پھر بلاوا آگیا۔ فالحمدللہ علی ذالک ۔میں فضل الرحمٰن اور اس کے عزیز سات افراد کا قافلہ عازم حرمین شریفین ہوا۔ 95,000/فی کس میں ہمارا چھبیس دن کا پیکج بنا، میرے علاوہ مولوی عتیق الرحمٰن، اس کی اہلیہ، ان کی فیصل آباد والی بڑی بیٹی اور اس کا خاوند قاری عمر فاروق، اور میرا بھانجا چوہدری خلیل احمد اور اس کی بیٹی ہم بروز منگل ۶/نومبر ۲۰۱۸ء کو اللہ کی رحمت کے سائے میں نکل کھڑے ہوئے، ہم خانقاہ شریف بہاولپور سے دو گاڑیوں میں بیٹھ کر ملتان ایئر پورٹ کی طرف چلے، ظہر کے بعد ذرا ٹھہر کر روانگی ہوئی، نماز عصر بڑے تنگ وقت میں ائیر پورٹ کی مسجد میں جا کر پڑھی، عشاء تک انتظار گاہ میں بیٹھے رہے، پھر اندر داخلہ ہوا، وہاں کی عارضی مسجد میں دو نفل احرام کے پڑھ کر دنیا داری کے سارے کپڑے اتار کر مسافر آخرت کے دو کپڑے پہن لیے، بظاہر تو ہم دنیا کے ٹھاٹھ باٹھ سے نکل گئے اور ایک ملنگانہ صورت اختیار کر لی مگر دل کے اندرونی خانوں میں گھسی دنیا کو نکالنے میں سارے سفر میں کشمکش ہوتی رہی

سلے کپڑے بآسانی اتارے — جمیع آداب بھی کر لیے سارے

دلوں میں جو خیالِ فاسدہ تھے — مکمل قتل کرنے سے ہیں ہارے

چلے ہے کلمہ لبیک لب پر — نہیں کہہ سکتا میں کچھ دل کے بارے

دلوں کو کر دیا رب کے حوالے — وہ اپنے لطف سے ان کو سنوارے

مدینے کا تصور آگیا تھا — تصور یہ لگادے گا کنارے

میں ان کا امتی ہوں خواہ ہوں عاصی — شفاعت وہ کرے گا میرے بارے

خدا مقبول کرلے گا یہ عمرہ — وہ جس نے نوح کے بیڑے ہیں تارے

موحد ہے یہ افضل لوہا لٹھ سا — لگاتا ہے یہ تکبیروں کے نعرے

[افضل دھرم کوٹی]

اب ہم ہواؤں میں اُڑ رہے تھے، تخت سلیمانی کے مزے لے رہے تھے، فضاؤں میں اللہ کا نام بلند

کررہے تھے، فرشتے کلمات کو عرشوں تک پہنچارہے تھے، رب العالمین بھی اپنی شان کے مطابق گوش برآواز تھا، ہم زمینوں سے اٹھ کر فضاؤں میں اللہ کی کبریائی کے جھنڈے گاڑرہے تھے، ہراک زائر کے لب پہ یہی کلمۂ لبیک تھا۔ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ سیکڑوں عاجز بندے اللہ کے الطاف کو پکاریں اور اللہ تعالی جو رحیم و کریم، اللہ ہے جو شفیق و رفیق اللہ ہے، ان سینکڑوں آوازوں کو صدا بصحرا کردے؟ اس ستار و غفار اللہ کے متعلق ایسا تصور گناہ کبیرہ سے کم نہیں، ہمیں یقین ہے، حق الیقین ہے، ہماری حاضری لگ گئی ہے، ہماری حاضری قبول ہوگئی ہے، ہمارے گناہوں کے اوپر قلم عفو پھیردی گئی، بلکہ ہمارے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیا گیا ہے۔ ہمارا دامن سیاہ میل کچیل سے پاک کرکے دودھ کی طرح سفید کردیا گیا ہے۔

اور ہوں گے جو کریں مایوسیاں رحمٰن سے
ہم ہیں اس کی رحمتوں کے بے شبہ پالے ہوئے

[افضل دھرم کوٹی]

سعودی ائیر لائن کا بڑا چرچا سنا تھا مگر دید شنید کے پیمانے پہ پوری نہ اتری، ٹائم زیادہ لگایا، ساڑھے پانچ گھنٹے۔ سہولتیں پی آئی اے سے بھی کم دیں، کرایہ زیادہ لیا تھا پانچ ہزار تک، مگر کھانا ایسا دیا جو فٹ پاتھ کے ہوٹلوں جیسا تھا، مگر ان کی نسبت چونکہ عرب کی طرف ہے ہم نے کانٹے بھی پھول سمجھ کے چن لیے، یہ اُن کی مذمت نہیں، اُن کو توجہ دلائی ہے کہ وہ اس کمی کی تلافی کریں

عرب کی نسبتیں جن کو ہوں حاصل　　انہیں سمجھو وہ ہیں رحمت سے واصل
سعودی ائیر لائن ہے بہت خوب　　یہ سفر حج و عمرہ کے ہے قابل

یہ تعریف کسی حد تک تنقیص کے بعد احبوا العرب لثلث کی وجہ سے کی ہے کہ اِس کمپنی کی نسبت عرب سے ہے جو ہمارے محبوب پیغمبر کا وطن ہے۔ وہ اچھا ہی اچھا ہے اور اس کی ہر چیز اچھی ہے۔

عشاء کی نماز ہم نے وہاں جا کر پڑھی، بقایا رات ایمیگریشن کے جھگڑوں میں گزر گئی، علی الصبح ہم مکہ مکرمہ کے لئے چلے، تلبیہ پکارنے میں زور لگایا، دیگر خیالات سے دل و دماغ کو جھٹکا، حرم مکہ کو آنکھوں میں سمویا، کبھی باب السلام کو تصور لاتا ہوں، کبھی باب عمرہ کو، کبھی باب الفہد پہ سواری آ پہنچتی ہے، کبھی باب عبدالعزیز پہ نزول ہوتا ہے، انہی تصورات میں گم تھے کہ ایک بازار کے سامنے جا کر بس رک گئی اور ہمیں اشارہ کرکے ہمارا مقررہ ہوٹل دکھا دیا گیا، ہم خواستہ ناخواستہ سامان اٹھا کر اس کے دروازے پر پہنچے، اس کا نام تھا: نجمة الخليل، اس کی دوسری منزل میں کمرہ دے دیا گیا تھا۔

باقی سب ٹھیک تھا، لیکن ہم پاکستانی شہری تھے، بیت الخلاء انگریزی برطانوی تھی، ہمیں اس کے اوپر بیٹھے کا انداز آخر تک سمجھ نہ آیا، جیسے کسی کو سمجھ آیا کام چلایا۔ ہم تو دوسرے لوگوں کی بیت الخلاؤں میں ہو آتے اور یوں اس فریضے سے جان چھڑاتے۔

ہم نے ہوٹل میں سیٹ ہو کر نماز فجر ادا کی، مولوی عتیق، خلیل اور فاروق تو اسی وقت حرم چلے گئے، انہوں نے وہاں اپنی جماعت کر کے نماز پڑھی، واپسی پر دو وہیل چئیر بھی لے آئے، ناشتہ کیا، پھر سب حرم گئے اور عمرہ ادا کیا، پانچ ریال میں سر منڈایا اور عمرے سے نکل آئے۔ طواف مجبوراً مجھے وہیل چئیر پر کرنا پڑتا تھا، مولوی عتیق کو اللہ جزائے خیر دے وہ روزانہ ایک طواف تو کرا ہی دیتا تھا، کبھی دو تین بھی ہو جاتے تھے، ایک دن میں نے ہمت کی اور پیدل ہی چل دیا، گرتے پڑتے اُٹھتے بیٹھتے پورا کر ہی لیا، اسی میں حطیم میں داخلہ بھی ہو گیا، کعبہ کی دیوار پہ چمٹ بھی لیا، میزاب رحمت کے نیچے دعائیں مانگ لیں، حطیم پر چار نوافل بھی پڑھ لیے، حجر اسود کا بوسہ کسی صورت نہ ہو سکا، یہ تمنا دل کی دل میں ہی رہ گئی، یہاں کعبہ کی دیوار کو چمٹنا مسنون نہیں تھا محض محبت وعقیدت کا تقاضا تھا، مقام ابراہیم کو قریب ہو کر دیکھ لیا، جد الانبیاء کے قدم مبارک معجزانہ طور پر سنگ خارا میں دو انچ تک کھبے ہوئے نظر آئے۔

زمزم: یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدموں کا صدقہ جاریہ ہے، یہ پانی نوافل طواف کے بعد پینا مسنون ہے، اس پانی کو پینا بھی عبادت اور محبت سے دیکھنا بھی عبادت ہے، یہ پینے کا کام تو دیتا ہی ہے، کسی حد تک کھانے کا کام بھی دیتا ہے، یہ بیماروں کے لیے شفا بھی بن جاتا ہے۔ ایک مغربی شخص جو اس حد تک بیمار تھا کہ اس کے گوشت کی بوٹیاں کٹ کر گر جاتی تھیں، جرمنی وغیرہ کے علاج ناکام ہو گئے تھے، وہ مسلمان تھا، دل میں خیال آیا کہ مرنا تو ہے ہی، کیا اچھا ہو کہ میں مکہ میں جا کر مر جاؤں وہ، یہاں آ گیا اور دن رات صبح وشام زمزم پینا شروع کر دیا اور جسم پہ ڈالنے لگا، چند دنوں کے بعد اس نے محسوس کیا کہ جسم میں تبدیلی آرہی ہے، مرض نکلی جا رہی ہے اور صحت پیدا ہو رہی ہے، وہ زمزم کو پیتا اور اپنے جسم پر ملتا بھی، اس کی برکت سے اللہ تبارک وتعالی نے اسے کلی طور پر صحت یاب کر دیا۔ جس طرح نیل وفرات کا مخفی منبع جنت الفردوس ہے کہ اس کا پانی وہاں سے آرہا ہے، اسی طرح چشمہ زمزم کی اصل اب تک معلوم نہ ہو سکی کہ اتنا کثیر پانی کہاں سے آرہا ہے۔ متعدد جگہوں پر بورنگ کر کے اس کے منبع ومخزن کو تلاش کیا گیا، مگر اَب تک مل نہیں سکا، شاید یہ بھی وہاں سے آرہا ہو جہاں سے نیل وفرات کے دو دریا در پردہ چلتے چلتے دنیا میں آکر ظہور پذیر ہو گئے ہیں۔

عربوں کی سخاوت:

رمضان المبارک میں تو عام طور پر حرم کے اندر بھی اور حرم کے باہر بھی جگہ جگہ دستر خوان لگ جاتے ہیں، جس پر افطاری کی مختلف چیزیں: فواکہ، کھجوریں، دہی اور ڈبل روٹیاں اور قہوہ سجا دیا جاتا ہے۔ غیر رمضان میں بھی خاص طور پر جمعرات کو لمبے چوڑے دستر خوان بچھ جاتے ہیں، روزے دار اور روزہ خور بلاتمیز اس کے اوپر آکر بیٹھتے اور سجی ہوئی افطاری کر کے اللہ تعالی کو بھی اور عرب سخیوں کو بھی راضی کر دیتے ہیں۔ رمضان المبارک میں تو دُور دُور سے منتیں سماجتیں کر کے مفطرین کو اپنے دستر خوان پہ لاتے اور ان کے ممنون ہوتے ہیں، رمضان المبارک میں ٹرکوں کے ٹرک لدے ہوئے آتے اور جگہ جگہ افطاری کی اشیا دیتے اور پھینکتے ہیں، دودھ کے ڈبے، دہی کے ڈبے، لسی کے ڈبے اور اور دیگر خوردنی چیزیں بارش کی طرح برساتے ہیں۔ فجزاهم الله أحسن الجزاء.

ایک ناگوار عمل:

عرب لوگ نمازی تو بہت پختہ ہیں، وقت نماز میں اپنے اپنے جائے نماز کندھوں پر لٹکائے ہوئے حرم کی طرف آرہے ہوتے ہیں، نماز سے پہلے پانچ منٹ بھی مل جائیں تو تلاوت قرآن پاک ضرور کرتے ہیں، فرض چھوڑتے نہیں، سنتوں کی پرواہ نہیں کرتے، لیکن اکثر و بیشتر عربوں کے حلیے بگڑے ہوئے ہیں، سنتِ ریش سے محروم ہیں، بلکہ اس وجوب کے تارک ہیں، پھر سنت محمد عربی تو چھوڑ رکھی ہے، لیکن سنتِ انگریز کو بھرپور طور پر اپنایا ہوا ہے، جن عربوں کے چہروں پہ داڑھیاں ہیں وہ بہت ہی خوبصورت لگتے ہیں، ان کو دیکھ کر اصحاب رسول کے چہرے یاد آجاتے ہیں، میرے اندازے کے مطابق اگر ہمارے ہاں ستر فی صد لوگ داڑھی منڈے ہیں تو عربوں کے ہاں اسی فیصد اِس گناہ میں مبتلا ہیں، حالانکہ ہمارے ہاں تو انگریزوں کی حکمرانی رہی ہے، جس کی وجہ سے لوگ اُن کے رنگ میں رنگے گئے ہیں، اُن (عروبں) کے ہاں تو ایسی کوئی بات نہ تھی وہ کیوں افرنج بن گئے ہیں؟ اور اس فرنگیت میں ان کو کیا مزہ آتا ہے؟ یہ انہی کو معلوم ہوگا، ہمیں تو کوئی وجہ نظر نہیں آئی۔ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُم سے انہیں ڈرنا چاہئے۔ مبادا ٹرمپ اور دلاوی میر کے ساتھ حشر ہو، معاذ اللہ! دنیا میں سب سے زیادہ خوبصورت چہرہ نبی صاحب کا تھا، پھر آپ کے اصحابؓ کا، اس کو تو اللہ پاک نے: لقد كان لكم فى رسول الله اسوة حسنه کہا ہے پھر اس احسن تقویم کو چھوڑ کر قوم ارذل کی خو بو اختیار کرنا بڑی بدنصیبی ہے اللہ تعالی ہماری قوم کو عموماً اور عربوں کو خصوصاً شکل محمد بنانے کی توفیق دے۔ آمین (جاری ہے۔)

☆......☆......☆......☆

مولانا ابوایوب قادری، جھنگ قسط:۱

کتاب ’’ذکر اللہ کے حلقے‘‘ کا تحقیقی جائزہ

کثرت سے اللہ کا ذکر کرنا:

سب سے پہلے ہم فضائل ذکر کو اکابر کی کتب سے نقل کیے دیتے ہیں تاکہ احادیث کے نقل کرنے کے فضائل کا حصول اور عمل کرنے کا شوق اور ذوق اہل اسلام میں پیدا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے ذکر میں مداومت نصیب فرمائے اور آگے پھر ہم چند مسائل بھی ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں کیوں کہ حضرت اقدس فخر المحدثین سند الکاملین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ’’ذکر اللہ اس وقت مقبول ہے کہ حسب قاعدہ شرع کے ہو نہ بطور بدعت و معصیت کے۔ پس جو ذکر مرکب بدعت و معصیت سے ہوگا، اس کی شرکت بھی ممنوع ہوگی۔‘‘ [براہین قاطعہ:۱۰۹]

حکیم الامت مجدد دین وملت الشاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ذکر پر پورا ایک باب لکھتے ہیں، اس کو نقل کر دینا مناسب ہوگا۔ چنانچہ حضرت فرماتے ہیں:

’’روح سیزدہم: کثرت سے اللہ کا ذِکر کرنا:

جس قدر ہو سکے اللہ تعالیٰ کا نام لیتے رہنا، قرآن وحدیث میں اس کا حکم بھی ہے اور فضیلت وثواب بھی اور کچھ مشکل کام بھی نہیں تو ایسے آسان کام میں بے پروائی یا سستی کر کے حکم کے خلاف کرنا اور اتنا بڑا ثواب کھو کر اپنا نقصان کرنا، کیسی بے جا اور بری بات ہے؟! پھر اللہ تعالیٰ کا نام لیتے رہنے میں نہ کسی گنتی کی قید ہے اور نہ وقت کی اور نہ تسبیح رکھنے کی، نہ پکار کر پڑھنے کی، نہ وضو کی، نہ قبلہ کی طرف منہ کرنے کی، نہ کسی خاص جگہ کی، نہ ایک جگہ بیٹھنے کی، ہر طرح سے آزادی اور اختیار ہے پھر کیا مشکل ہے؟ البتہ اگر کوئی اپنی خوشی سے تسبیح پر پڑھنا چاہے خواہ گنتی یاد رکھنے کے لیے یا اس لیے کہ تسبیح ہاتھ میں ہونے سے پڑھنے کا خیال آجاتا ہے، خالی ہاتھ کرنے میں یاد نہیں رہتا تو اس مصلحت کے لیے تسبیح رکھنا اچھا ہے بلکہ بہتر ہے کہ اس کا خیال نہ کرے کہ تسبیح رکھنے سے دکھلاوا ہو جائے گا، دکھلاوا نیت سے ہوتا ہے، یعنی جب یہ نیت ہو کہ دیکھنے والے مجھ کو بزرگ سمجھیں گے اور اگر یہ نیت نہ ہو تو دکھلاوا نہیں۔ اس کو دکھلاوا سمجھنا اور ایسے وہموں سے ذکر کو چھوڑنا شیطان کا دھوکہ ہے۔ وہ اس طرح سے بہکا کر ثواب سے محروم رکھنا چاہتا ہے۔ اور وہ ایک دھوکا یہ بھی دیتا ہے کہ جب دل تو دنیا کے کاموں میں پھنسا رہا اور زبان سے اللہ کا نام لیتے رہے تو اس سے کیا فائدہ؟ تو خوب سمجھ لو کہ یہ بھی غلطی ہے، جب دل سے یہ نیت کر لی کہ ہم ثواب کے واسطے اللہ کا

نام لینا شروع کرتے ہیں، اس کے بعد اگر دل دوسری طرف بھی ہو جائے مگر نیت نہ بدلے برابر ثواب ملتا رہے گا البتہ جو وقت اور کاموں سے خالی ہو اس میں دن کو ذکر کی طرف متوجہ رکھنے کی بھی کوشش کرے، فضول قصوں کی طرف خیال نہ لے جائے تاکہ اور زیادہ ثواب ہو۔

اب ذکر کے بارے میں چند آیتیں اور حدیثیں لکھی جاتی ہیں:

آیات:

۱:......پس تم مجھ کو یاد کرو، میں عنایت سے تم کو یاد رکھوں گا۔[بقرہ]

۲:......ایسے لوگ جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں، کھڑے بھی، بیٹھے بھی، لیٹے بھی۔ [آل عمران]

۳:......اے شخص اپنے رب کی یاد کیا کر، خواہ اپنے دل میں یعنی آہستہ آواز سے عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور خواہ زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ اسی عاجزی اور خوف کے ساتھ صبح اور شام یعنی ہمیشہ اور ہمیشہ کا مطلب یہ ہے کہ غفلت والوں میں سے مت ہونا۔[اعراف]

اور بہت زور زور سے ذکر کرنا، کوئی ثواب نہیں لیکن اگر کوئی بزرگ جو شریعت کے پابند ہوں علاج کے طور پر بتلا دیں تو جائز ہے اور وہ علاج یہ ہے کہ اس سے بعضوں کے دل پر زیادہ اثر ہوتا ہے لیکن اس کا خیال رکھے کہ اس سے کسی کی عبادت یا کسی کی نیند میں خلل نہ پڑے نہیں تو گناہ ہوگا۔

۴:......جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف رسائی دیتا ہے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر میں ایسی خاصیت ہے کہ اس سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے اسی طرح سے اس سے حق تعالیٰ میں اور بندہ میں تعلق بڑھ جاتا ہے اور اطمینان کے لئے بنیاد تعلق پر ہے۔[رعد]

۵:......مسجدوں میں ایسے لوگ اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں کہ ان کو نہ کسی چیز کا خریدنا غفلت میں ڈالتا ہے اور نہ کسی چیز کا بیچنا اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے۔[نور]

۶:......اور اللہ تعالیٰ کی یاد بہت بڑی چیز ہے یعنی اس میں بہت بڑی فضیلت ہے۔[عنکبوت]

۷:......اے ایمان والو! تم اللہ کو بہت کثرت سے یاد کیا کرو۔[احزاب]

۸:......اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پاویں۔ [المنافقون]

۹:......اور اپنے رب کا نام لیتے رہو اور سب سے الگ ہو کر اسی کے ہو جاؤ۔ الگ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا تعلق دوسرے سارے تعلقات پر غالب رہے۔[مزمّل]

۱۰:......مراد کو پہنچا، جو شخص برے عقیدوں اور برے اخلاق سے پاک ہو گیا اور اپنے رب کا نام لیتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔[اعلیٰ]

احادیث:

ا:......حضرت ابو ہریرہؓ وابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے لئے بیٹھیں، ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور ان پر خدا کی رحمت چھا جاتی ہے اور ان پر چین کی کیفیت اترتی ہے۔(یعنی ان کے قلب کو اطمینان رہتا ہے)۔[مسلم]

۲:......حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے پروردگار کا ذکر کرتا ہو اور جو شخص ذکر نہ کرتا ہو ان کی حالت مردہ اور زندہ کی سی ہے یعنی پہلا شخص مثل زندہ کے ہے اور دوسرا مثل مردہ کے کیونکہ روح کی زندگی بھی اللہ کی یاد ہے یہ نہ ہو تو روح مردہ ہے۔[بخاری ومسلم]

۳:......حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ آواز فرماتا ہے کہ میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو پھر وہ اگر اپنے جی میں ذکر کرے تو میں بھی اپنے جی میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ مجمع میں میرا ذکر کرے تو میں اس کا ایسے مجمع میں ذکر کرتا ہوں جو اس مجمع سے بہتر ہے یعنی فرشتوں اور پیغمبروں کے مجمع میں۔[بخاری ومسلم]

اللہ تعالیٰ کے جی کا یہ مطلب نہیں جیسے کہ ہمارا جی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کی یاد کی کسی کو خبر نہیں ہوتی جیسے دوسری حالت میں مجمع کو خبر ہوگئی اور وہاں کے مجمع کا یہاں کے مجمع سے اچھا ہونا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مجمع کے زیادہ اشخاص، اس مجمع کے زیادہ شخصوں سے اچھے ہوتے ہیں ضروری نہیں کہ ہر شخص ہر شخص سے اچھا ہو اگر دنیا میں کوئی مجمع ذکر ایسا ہو جس میں رسول اللہ ﷺ تشریف رکھتے ہوں، جیسا کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں تھا تو کسی فرشتہ یا پیغمبر کا حضور ﷺ سے افضل ہونا لازم نہ ہوگا۔

۴:......حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم جنت کے باغوں میں گزرا کرو تو اس کے میوے منہ چُھٹ کھایا کرو۔لوگوں نے عرض کیا کہ جنت کے باغ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ذکر کے حلقے اور مجمع (یعنی وہ مجالس جہاں خدا اور رسول ﷺ کا ذکر ہو رہا ہو، وعظ ہو رہا ہو۔ سیرت بیان ہو رہی ہو حدیث کا درس ہو رہا ہو)۔[ترمذی]

۵:......حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جو شخص کسی جگہ بیٹھے جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس پر گھاٹا ہوگا اور جو شخص کسی جگہ لیٹے جس میں اللہ کا ذکر نہ کرے تو اللہ کی طرف سے اس پر گھاٹا ہوگا۔[ابوداؤد]

مقصد یہ ہے کہ کوئی موقع اور کوئی حالت ذکر سے خالی نہ ہونا چاہئے۔

۶:......عبداللہ بن بسرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اسلام کے شرعی اعمال مجھ پر بہت ہو گئے، مراد نفلی اعمال ہیں، کیونکہ تاکیدی اعمال تو بہت نہیں ہیں۔مطلب یہ کہ ثواب کے کام اتنے ہیں کہ سب کا یاد رکھنا اور عمل کرنا بہت مشکل ہی ہیا س لیے آپ ﷺ مجھ کو کوئی ایسی چیز

بتلا دیجیے کہ اس کا پابند ہو جاؤں اور وہ سب کے بدلے میں کافی ہو جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کی پابندی کرلو کہ تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے۔ (ہر وقت خدا کے ذکر میں لگی رہے)۔

[ترمذی و ابن ماجہ]

۷:......ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا۔ بندوں میں سب سے افضل اور قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے بدتر کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو مرد کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے ہیں اور جو عورتیں اسی طرح کثرت سے ذکر کرنے والی ہیں۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ اور جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرے کیا یہ اس سے بھی افضل ہے؟ آپ ﷺ فرمایا اگر کوئی شخص کفار و مشرکین میں اس اس قدر تلوار مارے کہ تلوار بھی ٹوٹ جائے اور یہ شخص بھی تمام خون میں اپنے زخموں سے رنگین ہو جائے، اللہ کا ذکر کرنے والا درجہ میں اس سے افضل ہے۔ [احمد و ترمذی]

وجہ ظاہر ہے کہ جہاد خود اللہ ہی کی یاد کے لئے مقرر ہوا ہے جیسے وضو نماز کے لئے مقرر ہوا ہے۔ سورۂ حج کی آیت: **اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ** میں اس کا صاف ذکر ہے تو یا د اصل ہوتی ہے اور اصل کا افضل ہونا ظاہر ہے۔

۸:......حضرت عبد اللہ بن عمرؓ پیغمبر خدا ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ ہر شے کی ایک قلعی ہے اور دلوں کی قلعی اللہ کا ذکر ہے۔ [بیہقی]

۹:......حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، شیطان آدمی کے قلب پر چمٹا ہوا بیٹھا رہتا ہے، جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ ہٹ جاتا ہے جب یاد سے غافل ہوتا ہے تو وسوسہ ڈالنے لگتا ہے۔ [بخاری]

۱۰:......حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ذکر اللہ کے سوا بہت کلام مت کیا کرو، کیونکہ ذکر اللہ کے خلاف بہت کلام کرنا قلب میں سختی پیدا کرتا ہے اور سب سے زیادہ اللہ سے دور وہ قلب ہے جس میں سختی ہو۔ [ترمذی]

اخیر کی تین حدیثوں کا مجموعی حاصل یہ ہے کہ اصل صفائی اچھے عملوں سے ہوتی ہے اور سختی برے عملوں سے اور دونوں عملوں کی جڑ قلب کا ارادہ ہے اور ارادہ کی جڑ خیال ہے جب ذکر میں کمی ہوتی ہے۔ تو شیطان برے برے خیال قلب میں پیدا کرتا ہے جس سے برے ارادے کی نوبت آجاتی ہے۔ اور نیک ارادوں کی ہمت نہیں رہتی۔ پس نیک کام نہیں ہوتے، برے ہونے لگتے ہیں اور جب ذکر کی کثرت ہوتی ہے تو برے خیال قلب میں پیدا نہیں ہوتے پس بُرا ارادہ بھی نہیں ہوتا اور گناہ بھی نہیں ہوتے اور نیک کام ہوتے ہیں۔ اس طرح سے صفائی روشنی قلب میں پیدا ہو جاتی ہے مگر یہ باتیں خود بخود نہیں ہوتیں، کرنے سے ہوتی ہیں۔ اگر کوئی خالی ذکر کیا کرے اور نیک کاموں کے کرنے کا اور برے کاموں سے بچنے کا ارادہ

اور ہمت نہ کرے وہ دھوکے میں ہے، یہاں تک کی حدیثیں مشکوٰۃ میں ہیں۔

۱۱:......حضرت ابوسعید خذریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہت لوگ دنیا میں نرم نرم بستروں پر اللہ کا ذکر کرتے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اونچے اونچے درجوں میں داخل فرمائے گا۔ [ابن عباسؓ]

یعنی کوئی یوں نہ سمجھے کہ جب تک امیری سامان کو نہ چھوڑے ذکر اللہ سے نفع نہ ہوگا۔

۱۲:......اُن ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کثرت سے اللہ کا ذکر کرو کہ لوگ پاگل کہنے لگیں۔ [احمد وابوالعلی دیوبند]

۱۳:......حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اتنا ذکر کرو کہ منافق یعنی بددین لوگ تم کو ریاکار مکار کہنے لگیں۔ [طبرانی]

۱۴:......معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت والوں کو کوئی حسرت نہ ہوگی مگر جو گھڑی ان پر ایسی گزری ہوگی جس میں انہوں نے اللہ کا ذکر نہ کیا ہوگا اس گھڑی پر ان کو حسرت ہو گی۔ [طبرانی]

مگر اس حسرت میں دنیا کی سی تکلیف نہ ہوگی۔ پس یہ شبہ نہ رہا کہ جنت میں تکلیف کیسی۔

۱۵:......عائشہ بنت سعد بن ابی وقاصؓ اپنے باپ سے روایت کرتی ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک بی بی کے ہاں گئے اور اس بی بی کے سامنے کھجور کی گٹھلیاں یا کنکریاں تھیں جن پر وہ سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھ رہی تھیں۔ الخ اور آپ ﷺ نے ان کو منع نہیں فرمایا۔ [ابوداؤد و ترمذی مع تحسین ونسائی و ابن حیان وحاکم مع تصحیح] یہ اصل ہے تسبیح گننے کی [کما قرر الشامی]

یہ پانچ حدیثیں ترغیب کی ہیں، یہاں تک تو عام ذکر کا بیان تھا۔ بعضے خاص خاص ذکروں کا بھی ثواب حدیثوں میں آتا ہے، ان میں سے بعضے آسان اور مختصر بہ نمونہ بتلاتا ہوں۔ [الف] **لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ** (یا مع) **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ الله** [ب] **سُبْحَانَ الله** [ج] **اَلْحَمْدُ لِلّٰہ** [د] **اَللہُ اَکْبَرُ** [ہ] **لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِالله** [و] **اَسْتَغْفِرُ اللہَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہ** [ز] درود شریف جو کئی طرح سے ہے، جن کا ایک ہلکا سایہ ہے: **اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّد۔ [نسائی عن زید بن خارجه]**

خلاصہ یہ ہے کہ ذکر سے غافل مت ہو۔ خواہ کوئی خاص ذکر کرو یا عام پھر خواہ ہر وقت ایک ہی یا کسی وقت کوئی۔ پھر خواہ بے گنتی، خواہ انگلیوں یا تسبیح پر گنتی سے، اور بعض دعائیں خاص وقتوں کی بھی ہیں اگر شوق ہو تو کسی دیندار عالم سے پوچھ لو ورنہ نمونے کے طور پر ابھی جو لکھ دیں ہیں یہ بھی کافی ہیں اللہ تعالیٰ توفیق بخشے۔ [اصلاحی نصاب: ۱۴۲ تا ۱۴۷، حیوٰۃ المسلمین مؤلفہ مولانا اشرف علی تھانویؒ]

۱۶: امام احمدؒ نے نقل کیا ہے ایک آدمی نے نبی پاک ﷺ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کس جہاد

کا زیادہ اجر وثواب ہے؟ تو فرمایا: کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مجاہدین۔ اس نے پھر پوچھا: کون سے روزہ دار افضل ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو اللہ کا ذکر زیادہ کرنے والے ہوں۔ پھر اس نے نماز، زکوٰۃ، حج، صدقہ کا ہمارے سامنے تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے ہر بات کے جواب میں فرمایا: اَكْثَرُهُمْ لِلّٰهِ ذِكْرًا کہ جو اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے والے ہوں۔

تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: اے ابو حفص ہر خیر کو ذکر کرنے والے لے گئے۔

فقال رسول اللہ ﷺ اجل، تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔

۱۷: کسی نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ کون سا عمل افضل ہے تو فرمایا کہ اس حال میں رہو کہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۔

۱۸: اور فرمایا کہ صبح اور شام خدا تعالیٰ کے ذکر سے تر زبان رہو تا کہ صبح اور شام کو ایسے ہو جاؤ کہ تمہارے اوپر کوئی خطا نہ ہو۔

۱۹: ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ چار چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص کو مل جائیں اسکو دین و دنیا کی بھلائی مل جائے ایک وہ زبان جو ذکر میں مشغول رہنے والی ہو۔ دوسرے وہ دل جو شکر میں مشغول رہتا ہو۔ تیسرے وہ بدن جو مشقت برداشت کرنے والا ہو۔ چوتھے وہ بیوی جو اپنے نفس میں اور خاوند کے مال میں خیانت نہ کرے۔

۲۰: حضرت سہلؓ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اللہ کا ذکر اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے سات لاکھ حصہ زیادہ ہوتا ہے۔

۲۱: حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص تم میں سے رات کو جاگ کر تکلیف برداشت کرنے سے عاجز ہو اور مال خرچ کرنے سے بخل کرتا ہو اور دشمن سے جہاد کرنے سے بزدل ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اللہ کا ذکر بہت کرے۔ [طبرانی]

۲۲: حضرت ابو موسیٰؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر ایک شخص کی گود میں روپے ہوں جن کو وہ تقسیم کرتا ہو اور دوسرا شخص خدا کا ذکر کرتا ہو تو یہ ذکر کرنے والا ہی افضل رہے گا۔ [الترغیب]

۲۳: حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب کچھ لوگ جمع ہو کر اللہ کا ذکر کرنے لگیں ان کی غرض اس سے صرف اللہ کی رضا ہو تو (خدا کا) منادی آسمان سے آواز دیتا ہے کہ اٹھ جاؤ بخشے بخشائے اور میں نے تمہاری برائیوں کو نیکیوں کے ساتھ بدل دیا ہے۔ [ترغیب]

۲۴: سرور دو جہاں ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے روز خدا تعالیٰ ضرور ایسے لوگوں کو اٹھائے گا جن

کے چہروں پر نور ہوگا اور وہ موتیوں کے منبروں پر بیٹھے ہوں گے اور یہ حضرات نہ نبی ہوں گے نہ شہید ہوں گے اور سب لوگ ان پر رشک کرتے ہوں گے۔ یہ سن کر ایک اعرابی حضور ﷺ کے سامنے دوزانوں ہو کر بیٹھ گیا اور عرض کیا کہ حضرت ان کے اوصاف بتا دیجئے تاکہ ہم ان کو پہچان لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہ حضرات ہوں گے جن میں کوئی رشتہ ناطہ نہ ہوگا اور جو مختلف قبیلوں اور مختلف شہروں کے ہوں گے اور اس کے باوجود اللہ کے لئے وہ آپس میں محبت کرتے ہوں گے اور اللہ کی یاد کے لئے جمع ہوا کرتے تھے۔ [ترغیب]

۲۵: حضرت ابودرداءؓ کا بیان ہے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو خطاب کر کے فرمایا کہ کیا تم کو تمہارا وہ عمل نہ بتادوں جو تمہارے مالک کے نزدیک تمام اعمال سے بہتر اور پاکیزہ ہے اور جو تمہارے درجات سب اعمال سے زیادہ بلند کرنے والا ہے اور تمہارے لئے سونا چاندی خرچ کرنے سے زیادہ بہتر ہے اور جو اس سے بہتر ہے کہ تم دشمن سے بھڑ جاؤ اور ان کی گردنیں اڑاؤ اور وہ تمہاری گردنیں اڑائیں؟

صحابہ کرامؓ نے عرض کی کہ جی ارشاد فرمائیں آپ نے فرمایا کہ وہ عمل اشد ذکر ہے جو ان سب سے اعلیٰ اور افضل ہے۔ [ترمذی]

۲۶: حضرت عبداللہ بن بسرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک دیہاتی صحابیؓ نے حاضر ہو کر سوال کیا کہ حضرت ﷺ سب لوگوں سے بہتر کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: خوشی ہے اس شخص کے لیے جس کی عمر لمبی اور عمل اچھے ہوں۔ ان صاحب نے پھر عرض کیا کہ سب سے زیادہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہ تو دنیا سے اس حال میں جدا ہو کہ تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۔ [ترمذی شریف]

۲۷: حضرت مغویہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہؓ کی ایک جماعت کے پاس تشریف لائے۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ آپ کو یہاں کس چیز نے بٹھا رکھا ہے؟

صحابہ کرامؓ نے عرض کی کہ ہم بیٹھے یہاں خدا کا ذکر کر رہے ہیں اور اس کی حمد کر رہے ہیں کہ اس نے ہم کو اسلام کی ہدایت دی اور اس وجہ سے ہم پر احسان کیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا کی قسم کیا تم کو صرف اسی چیز نے بٹھا رکھا ہے؟

صحابہ کرامؓ نے عرض کی خدا کی قسم ہم کو صرف اسی چیز نے بٹھا رکھا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ خوب سمجھ لو میں نے تم کو جھوٹا سمجھ کر قسم نہیں کھلائی لیکن بات دراصل یہ ہے کہ ابھی میرے پاس جبرائیلؑ آئے تھے اور مجھ کو بتا گئے کہ اللہ عزوجل فرشتوں کے سامنے تم کو فخراً پیش فرما رہے تھے۔ [مسلم] (جاری ہے۔۔۔۔)

☆......☆......☆......☆

سعدی کے قلم سے

قاسم سلیمانی کا قتل......حقائق کیا ہیں؟

آج ہمارے قارئین کو انتظار ہوگا کہ......مشرقِ وسطیٰ میں بظاہر جنگ کے شعلے بھڑکنے کو ہیں......آتش کدہ فارس کا ایک بڑا بُت گر گیا ہے......تو آج اس پر کچھ تبصرہ کیا جائے گا......جبکہ ہم ایک ’’سازِ محبت‘‘ میں گم چلے جا رہے ہیں......اور وہ ہے: جَزَی اللّٰہُ عَنَّا مُحَمَّداً ﷺ بِمَا ھُوَ اَھْلُہٗ.

بات یہ ہے کہ......مشرقِ وسطیٰ میں مسلمانوں پر تو جنگ کے شعلے سالہا سال سے بھڑک رہے ہیں......لاکھوں مسلمان صرف مسلمان ہونے کی پاداش میں......عراق، شام، یمن، لبنان اور فلسطین میں شہید ہوچکے ہیں......اور ہر آئے دن ہو رہے ہیں......ان شہداء میں سے کچھ کو اسرائیل نے...... کچھ کو امریکہ نے......اور زیادہ کو ایران نے قتل کیا......

ایران دنیا کا وہ واحد ملک ہے جو دوسرے ممالک میں کھلم کھلا اِعلانیہ عسکری مداخلت کرتا ہے......اور دوٹوک اَلفاظ میں......اس کا اعتراف کرتا ہے......وہ کسی جگہ اپنی ہم خیال حکومت کی مدد کرتا ہے تو دوسری جگہ اپنے ہم خیال باغیوں کو اسلحہ اور طاقت فراہم کرتا ہے......شام میں بشار، یمن میں حوثی... لبنان میں حزب اللہ......اس کے اتحادی......جبکہ عراق کو تو وہ گویا کہ ایران کا ایک داخلی صوبہ مانتا ہے...... بڑے بڑے جلسوں اور دیواروں پر......مرگ بر امریکہ کے نعرے......جبکہ زمین پر امریکی فورسز کے شانہ بشانہ......

افغانستان سے لے کر عراق تک......مسلمانوں کا بہیمانہ قتلِ عام......کشمیر کے معاملہ پر کبھی کبھار کشمیری مسلمانوں کی پھیکی سی تائید......مگر انڈیا کے لیے تن من سب کچھ ہمہ وقت حاضر......ظاہری طور پر بنیاد پرست حکومت......مگر یورپی ممالک سے گہری رشتہ داری......کیونکہ قائدِ انقلاب......کی پناہ گاہ اور روانگاہ بھی یورپ رہا......

سیاسی معاملات ایک طرف......عراق میں جو ظلم ایرانی جنرل سلیمانی نے...... وہاں کے مسلمانوں پر کیا...... وہ اس قدر لرزہ خیز اور ہولناک ہے کہ...... تاتاری بھی سنیں تو سر شرم سے

جھکالیں......امریکہ اور ایران کے درمیان...... یہ تعلق کہ......ظاہر میں دشمنی اور اندر سے اتحاد......اوپر سے ایک دوسرے پر بھونکنا مگر کبھی کاٹی نہ کرنا...... یہ طویل عرصہ سے جاری ہے......امریکہ نے ہی عراق کو......صدام حسین شہید سے چھین کر......ایران کی گود میں ڈال دیا......

اُبامہ کے زمانے......امریکہ اور ایران کے تعلقات میں مزید گہرائی اور مضبوطی آئی......مگر مظلوموں کے خون کی فریاد......عرش پر تڑپتی ہے تو پھر حالات بدلتے دیر نہیں لگتی......گزشتہ کچھ ماہ سے...... عجیب کرامت ہوئی......عراق کے عوام حتیٰ کہ کئی شیعہ گروپوں کی ایران سے مخاصمت چل نکلی......اور یہ معاملہ اس قدر بڑھا کہ......امریکہ کو مجبور ہونا پڑ گیا اور اس نے پہلی بار ایران کو ایک حقیقی جھٹکا دے دیا......

امریکہ نے جنرل سلیمانی کو...... نہ سعودیہ کے کہنے پر مارا ہے نہ اسرائیل کی فرمائش پر...... جنرل سلیمانی تو امریکہ کی ناک تلے سالہا سال سے......کھلم کھلا دندناتا پھر رہا تھا......اُس کے امریکی فورسز کے ساتھ تعاون کے کئی معاہدے تھے......اگر اس قتل میں......اسرائیل یا سعودیہ کا کوئی ہاتھ ہوتا تو...... یہ واقعہ بہت پہلے ہو چکا ہوتا......

یہ تو خالص جہاد کی برکت اور مظلوم شہداء کے خون کی کرامت ہے کہ......سلیمانی کو خود عراق کے شیعوں نے امریکہ سے قتل کرایا......اور اب ایران......صدمے اور حیرت میں سرتاپا غرق ہے......وہ بدلہ نہیں لیتا تو ساری دنیا میں ناک کٹتی ہے......اور اگر بدلہ لے تو کیسے لے؟......سارا نظام صرف بھونکنے اور نہ کاٹنے کے فارمولے پر چل رہا تھا......

بہرحال ظلم بالآخر......ظالم کی طرف سانپ بن کر لوٹتا ہے......تکریت، ابوغریب اور بصرہ کی مظلوم ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے آنسو لگ گئے......اور ظلم و درندگی کا ایک منحوس دروازہ بند ہو گیا......

آگے کیا ہوتا ہے وہ بظاہر یہی لگتا ہے کہ......اہل ایمان، اہل اسلام کے لئے ان شاء اللہ مزید خیر ہو گی......

چونکہ یہ معاملہ اہم ہونے کے باوجود آپ سب قارئین کے لیے واضح تھا......اس لیے اسے تفصیل سے لکھنے کی بجائے......میں ''نغمۂ محبت'' کو بلند کرنے میں لگا ہوں......اور وہ ہے: جَزَی اللّٰہُ عَنَّا مُحَمَّداً ﷺ مَا ھُوَ اَھْلُہٗ.

☆......☆......☆......☆

به سلسلہ زبیر علی زئی کا تعاقب　　　　مفتی رب نواز حفظہ اللہ

علی زئی جواب پر ایک نظر

......قسط:۴......

زبیر علی زئی:

> ”صحیح العقیدہ[۴۹۸] لوگ قرآن[۴۹۹] و حدیث[۵۰۰] و ما ثبت منہا (مثلاً اجماع و آثار صالحین) سے استدلال کرتے ہیں اور اسی پر ان کا ایمان[۵۰۱] و عمل ہے، جبکہ بدعقیدہ[۵۰۲] لوگ قرآن و حدیث کے مقابلے میں اپنے خود ساختہ[۵۰۳] اکابر کی آراء و معمولات[۵۰۴] سے استدلال کرتے ہیں۔“

الجواب:

۴۹۸

علی زئی صاحب ”صحیح العقیدہ“ کہہ کر اپنا فرقہ مراد لے رہے ہیں۔ جب کہ غیر مقلد علماء کی تصریحات کے مطابق انگریز سے ”اہلِ حدیث“ کا نام حاصل کرنے والے فرقہ کے علماء بدعقیدہ ہیں جیسا کہ پہلے باحوالہ مذکور ہو چکا ہے۔

شیخ حمید اللہ صاحب غیر مقلد کہتے ہیں:

”فرقۂ امامیہ (جماعت غرباء اہلِ حدیث) کے عقائد کتاب و سنت اور سلف صالحین کے خلاف ہیں۔“[صحیفہ اہل حدیث دہلی:۷ ۱۳۵۷ھ ربیع الثانی:۵]

صحیفہ اہلِ حدیث میں ثناء اللہ امرتسری کے اخبار اہلِ حدیث کے نام کی تبدیلی کا مشورہ دیتے ہوئے لکھا گیا ہے:

”فاضل معاصر [امرتسری صاحب (ناقل)] کو ہم نے مخلصانہ مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنے اخبار کا نام تبدیل کر دیں۔ اور ساتھ ہی ایک ایسے نام کی تجویز کر دی تھی جو ہر طرح کے اناپ شناپ مضامین کا متحمل تھا۔ لازمی امر تھا کہ معاصر اپنے اخبار کا نام تبدیل کرتے یا غلط عقیدہ کی تردید فرماتے مگر آپ نے ایسا نہ کیا، نہ کرنا تھا۔“[صحیفہ اہل حدیث دہلی:۱۳۵۵ھ ذیقعدہ:۵]

صحیفہ میں لکھا ہے:

”آنے والی نسلیں جب اخبار اہلِ حدیث کے پرچہ کو دیکھیں گی تو یہی کہیں گی کہ مرزائی، عیسائی،

علی پوری اور اہلِ حدیث کی توحید یکساں تھی۔'' [صحیفہ اہل حدیث دہلی: ۱۳۶۰ھ ربیع الثانی: ۱۷]

صحیفہ میں لکھا ہے:

''اس دَورِ فتن میں جب کہ دیگر علماء تو کیا بعض نام کے اہلِ حدیثوں نے بھی بہت سے مسائل شرعیہ کو پردۂ اخفاء میں ڈال کر طاقِ نسیان میں رکھ دیا ہے اور دن بدن ان میں نیچریت اور صلح کل کی غیر شرعی ہوا جذب ہوتی جاتی ہے۔ مشاہدہ گواہ ہے اگر یقین نہ ہو تو اہلِ بدعت واہلِ ہوا کے اشتہارات ومجالس میں علماء اہلِ حدیث کے نام بھی دیکھ لو!'' [صحیفہ اہل حدیث دہلی: ۱۳۵۷ھ ماہ محرم: ۱۳]

حامد رضا صاحب (بی اے کوئٹہ) نے ڈاکٹر سبطین لکھنوی رکن آکسفورڈ میڈیکل کالج کو خط لکھا، اس کا ایک تراشا یہ ہے:

''مجھے یہ سن کر از حد دُکھ ہوا ہے کہ آپ جیسے اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات بھی، امام جماعت غرباء اہلِ حدیث کے دستِ حق پرست پر بیعت سے مشرف ہو چکے ہیں کاش! بیعت کرنے سے قبل آپ ''تحریک اہلِ حدیث'' نامی پمفلٹ ہی پڑھ لیتے۔ اللہ اللہ! کیا زمانہ آیا ہے کہ سید احمد شہید کی چھوڑی ہوئی یہ مجاہدانہ تحریک بھی امامت کا سائن بورڈ لگا کر تعویذ گنڈے بیچنے پر مجبور ہو چکی ہے تلخ نوائی معاف! کہیں تشیع والا جذبہ پرستش امام اس راہ سے تسکین پا رہا، کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ کبھی چھوڑی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہو رہی ہو؟ تحریک اہلِ حدیث نامی پمفلٹ بھیج رہا ہوں موقع ملے تو ضخیم کتابوں کے انبار چھوڑ کر اس کا بھی مطالعہ کیجئے۔ یہ کتابچہ ایک فریاد ہے ان لوگوں کے لیے جو اہلِ حدیث ہونے کے مدعی بھی ہیں اور امامت من جانب اللہ بعد از نبی کے قائل بھی۔ امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے والسلام''

[صحیفہ اہل حدیث ۱۳۹۰ھ یکم جمادی الثانی: ۱۷]

مزید تفصیل کے لیے ''رسائل اہلِ حدیث'' دونوں جلدوں کا مطالعہ کیا جائے۔

۹۹

علی زئی صاحب کہہ رہے ہیں کہ صحیح العقیدہ لوگ اجماع کو مانتے ہیں جب کہ غیر مقلدین کی تحریروں میں اجماع کی حجیت کا انکار کیا گیا ہے جیسا کہ ہم اپنی اسی کتاب میں باحوالہ عبارات نقل کر چکے ہیں۔ حجیت اجماع کے منکرین میں علی زئی کے استاد عبد المنان نوری غیر مقلد بھی ہیں۔ چنانچہ وہ اجماع کی حجیت پر دیئے گئے دلائل کا بزعمِ خود جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''وہ تو اجماع کی نفی ہے کہ گمراہی پر جمع نہیں ہوگی، کیا معنیٰ کہ کچھ گمراہی پر اور کچھ ہدایت پر۔ پھر اختلاف تو رہا نا!...یہ تو اجماع کی نفی ہے!۔ اس حدیث نے تو اجماع کے پرخچے اڑا دیئے ہیں اور یہ دلیل بنائے بیٹھے ہیں۔ اور دوسری لاتزال طائفة من امتی ظاهرين على الحق ''پیش کرتے ہیں اور یہ بھی

وہی بات ہے نا!...یعنی یہ بھی اجماع کی نفی ہے! کہ اجماع ہونا ہی نہیں چاہیے اور یہ بنائے بیٹھے ہیں! (ابتسامہ)، دلیل اچھی پیش کی ہے جو اپنے ہی خلاف ہے۔''

[سہ ماہی مجلّہ المکرّم اشاعتِ خاص بیاد حافظ عبد المنان نور پوری: ۴۱]

نور پوری صاحب مزید نور بکھیرتے ہوئے کہتے ہیں:

''وہ تو سبیل مؤمنین ہے اور یہ قول مؤمنین، ای فتویٰ!۔تو فتویٰ سبیل مؤمنین ہے؟؟؟ قل ھذہ سبیلی ''تو سبیل مؤمنین تو قرآن وحدیث ہے...یہ جتنی بھی دلیلیں اجماع کی پیش کرتے ہیں بنتی ان میں سے کوئی نہیں!'' [سہ ماہی مجلّہ المکرّم اشاعتِ خاص بیاد حافظ عبد المنان نور پوری: ۴۲]

۵۰۰

[الف]......سب سے پہلے غیر مقلد عوام کی توجہ چاہوں گا کہ آپ اس خوش فہمی میں نہ رہیں کہ آپ کے علماء صرف قرآن وحدیث ہی پیش کیا کرتے ہیں بلکہ علی زئی نے علی الاعلان کہہ دیا ہے کہ آثارِ صالحین یعنی اقوال الرجال سے استدلال بھی کرتے ہیں اور اسی پر ان کا ایمان وعمل بھی ہے۔

اور پھر اس طرف بھی توجہ رہے کہ علی زئی نے ما ثبت منھما کہہ کر آثار صالحین کو قرآن وحدیث سے ثابت مانا ہے۔آثار صالحین کا مطلب نیک لوگوں کے اقوال وافعال ہیں۔گویا علی زئی صاحب تاثر دے رہے ہیں کہ نیک لوگوں کی باتیں اور ان کے اعمال قرآن وحدیث سے ثابت ہیں۔

[ب]......بہ اعترافِ علی زئی ''صحیح العقیدہ''لوگ آثارِ صالحین سے استدلال کرتے ہیں جب کہ غیر مقلدین کا عموماً دعویٰ ہے کہ حجت صرف اور صرف منزل من اللہ ہے۔

چنانچہ حماد الحق نعیم صاحب غیر مقلد ''اہلِ حدیث'' کے متعلق لکھتے ہیں:

''حجت یعنی حرفِ آخر صرف منزل من اللہ ہے شریعت ہی کو جانتا ہے۔''

[ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۱۶ صفر ۱۴۴۰ھ: ۳۰]

اب یہ بتایا جائے کہ کیا آثار صالحین کو آپ منزل من اللہ سمجھتے ہیں؟ آثار صالحین آپ کے ہاں کیوں کر حجت ہو گئے؟

نیز غیر مقلدین ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کی تقلید کے خلاف جو مزعومہ دلائل پیش کیا کرتے ہیں انہی کے پیشِ نظر آثار صالحین کی پیروی بھی ناجائز ثابت ہوتی ہے مثلاً اُن کا کہنا ہے کہ امام چونکہ معصوم نہیں اس لیے اس کی تقلید نہ کی جائے۔[مقالات الحدیث: ۱۱۰ تحقیق ونظر ثانی زبیر علی زئی]

اب سوال یہ ہے کہ کیا صالحین معصوم ہیں کہ غیر مقلدین ان کے آثار سے استدلال بھی کرنے لگے

اوران پر عمل بھی؟

[ج]......یہ بھی معلوم رہے کہ آثار صالحین میں اُن کے قیاسی مسائل بھی ہیں جب کہ غیر مقلدین کے ہاں قیاس حجت نہیں ہے۔

صحیفہ اہلِ حدیث میں لکھا ہے:

’’عقیقہ کے لیے وہ شرطیں نہیں ہیں جو قربانی کے لیے ہیں اور شرط لگانے والے کے پاس قیاس ہی قیاس ہے کوئی شرعی دلیل نہیں۔‘‘[صحیفہ اہل حدیث دہلی: ربیع الاول ۱۳۵۸ھ:۲۱]

اس عبارت میں صراحۃً کہا گیا ہے کہ قیاس دلیل شرعی نہیں ہے۔

محمد حسین بٹالوی غیر مقلد کہتے ہیں:

’’مذاہب اربعہ ان مجموعہ مسائل کا نام ہے جو کتاب اللہ وحدیث رسول واجماع وقیاس سے ماخوذ ہیں، ان مذاہب کی حقیقت معلوم ہونے سے فوراً سمجھ میں آجاتا ہے کہ ان میں سے جو حصہ حدیث سے ماخوذ ہے وہ جیسا کہ مذہب حنفی یا شافعی کہلاتا ہے، ویسا ہی وہ مذہب اہلِ حدیث بھی کہلا سکتا ہے۔ اور مذہب اہلِ حدیث میں اوران مذاہب میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے، نہ نسبت تضاد جو قسیموں میں ہوتی ہے۔ لہٰذا جو حصہ ان مذاہب کا حدیث سے ماخوذ ہے وہ مذہب حنفی شافعی بھی کہلائے گا اور مذہب اہلِ حدیث بھی، اور جو حصہ مذاہب کا قیاس سے ماخوذ ہے وہ مذہب حنفی وشافعی کہلائے گا، اس پر مذہب اہلِ حدیث کا لقب صادق نہیں آئے گا۔‘‘[تاریخ اہلِ حدیث:۱/۲۰۳ ڈاکٹر بہاؤالدین]

اس عبارت میں کہا گیا ہے کہ قیاسی مسائل اہلِ حدیث کا مذہب نہیں، ان کا مذہب قرآن وحدیث ہے۔

علی زئی کے استاد بدیع الدین راشدی غیر مقلد تو یہاں تک کہہ اُٹھے کہ قیاس کو ماننا قرآن وحدیث کو ناقص سمجھنا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

’’یہ سوال ہی غلط ہے کہ یہ مسئلہ قرآن وحدیث میں معاذ اللہ نہیں ہے اس لیے قیاس کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ (قرآن وحدیث کو ناقص سمجھنا) مسلمانوں کا مذہب نہیں ہے۔‘‘[تنقید سدید:۱۲۳]

قوسین کے الفاظ بھی تنقید سدید کتاب ہی کے ہیں۔

[د]......غیر مقلدین کہا کرتے ہیں کہ اہلِ حدیث کا منہج قرآن وحدیث کو براہ راست از خود سمجھنا ہے۔

ڈاکٹر بہاؤالدین غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’اہلِ حدیث وہ ہے جو براہِ راست کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرچشمہ ہدایت سمجھتا ہو اور ان ہر دو سے براہِ راست استفادہ کرتا ہو۔‘‘ [تاریخ اہل حدیث: ۲۱۹]

جب اہلِ حدیث کا دعویٰ ہے کہ ان کا منہج قرآن وحدیث سے براہ راست استفادہ کرنا ہے تو علی زئی صاحب آثار صالحین کو بیچ میں کیوں لے آئے ہیں؟

علی زئی کے دادا استاد ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’جو بات قرآن مجید سے ثابت ہو میں اس کو کافی جانتا ہوں کوئی اس کا قائل ہو یا نہ ہو۔ میں کسی امتی کا امتی نہیں ہوں...میں تین جنتوں کا قائل ہوں (۱) بابا آدم کی جنت۔(۲) موجودہ صلحاء کی جنت۔(۳) آخرت کی جنت۔بس یہ میرا عقیدہ ہے چاہے کوئی متقدمین ومتاخرین میں سے اس کا قائل ہوا ہو یا نہ۔ میرے لئے نص قرآنی بس ہے۔ میں انہی معنیٰ سے غیر مقلد (اہلِ حدیث) ہوں‘‘ [مظالم روپڑی: ۲۳ مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد اول]

اس عبارت میں امرتسری صاحب صراحۃً اپنی غیر مقلدیت کو بیان کر دیا کہ مجھے متقدمین ر آثارِ صالحین کے مخالفت ہونے کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

۵۰۱

علی زئی صاحب صحیح العقیدہ لوگوں کے متعلق کہہ رہے ہیں کہ قرآن وحدیث سے استدلال کر کے عمل کیا کرتے ہیں۔ مگر یہاں سوال یہ ہے کہ کیا غیر مقلدین کا طرز عمل صحیح العقیدہ لوگوں والا ہے؟ ان کی تحریریں اس کی نفی کرتی ہیں۔ ان کا طرز عمل تو حدیث میں من مانیاں کرنا ہے۔ شواہد ملاحظہ ہوں۔

علی زئی صاحب نے عبدالرزاق دل صاحب وغیرہ علمائے غیر مقلدیت کے متعلق لکھا:

’’دل صاحب کا طرزِ عمل اور منہج ایسا ہی ہے جیسا کہ البانی نے اپنے آخری دَور میں بھی (سلسلہ ضعیفہ کی چودھویں جلد میں) صحیح بخاری کی کئی احادیث کو ضعیف ومنکر قرار دیا اور ارشاد الحق اثری صاحب کے ’’فاضل بھائی‘‘ محمد خبیب احمد فیصل آبادی نے صحیح مسلم کی ایک حدیث پر حملہ کرنے کے بعد لکھا: ’’عرض ہے کہ یہ زیادت حسن لغیرہ کے درجے تک بھی نہیں پہنچتی، کیونکہ ایسی حدیث حسن لغیرہ قرار پاتی، جس میں ضُعف شدید نہ ہو اور قرائن بھی اس کی صحت پر دلالت کریں۔‘‘ (مقالاتِ اثریہ ص ۴۱۱) ظاہر ہے کہ ضُعفِ شدید اور قرائن کا ترازو خبیب صاحب نے اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے، لہٰذا صحیح مسلم کا دفاع کرنے والوں کو کنارے لگانے کی کوششیں جاری ہیں۔ سبحان اللہ! صحیح مسلم کی صحیح وثابت حدیث ان لوگوں کے نزدیک حسن لغیرہ کے درجے تک بھی نہیں پہنچتی (!!!) لیکن دوسری طرف یہی لوگ ضعیف ومردود روایات کو حسن لغیرہ کی

چھتری تلے حجت تسلیم کرانے پر تلے ہوئے ہیں۔سبحان اللہ!'' [علمی مقالات:۱۵۰/۶]

علی زئی صاحب دل وغیرہ آلِ غیر مقلدیت کی تردید کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

''ان لوگوں کا منہج درج ذیل باتوں پر مشتمل ہے:

۱: صحیح بخاری میں ضعیف ومنکر روایات بھی موجود ہیں،جیسا کہ البانی صاحب کا حوالہ گزر چکا ہے۔

۲: صحیح مسلم میں ضعیف ومعلول روایات بھی موجود ہیں،جیسا کہ خبیب اور عبدالرزاق دل صاحبان کی نرالی ''تحقیقات'' ہیں۔

۳: مرضی کے مدلسین کی معنعن روایات بھی صحیح وحجت ہیں۔

۴: جب مرضی ہو تو ضعیف+ضعیف کو حسن لغیرہ قرار دے کر حجت بنانا جائز ہے۔

۵: صحیحین کے محتج بھا راویوں کی منفرد روایات مردود ہو سکتی ہیں۔!!!'' [علمی مقالات:۱۵۱/۶]

علی زئی نے یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ ناصر الدین البانی غیر مقلد حدیث کی تصحیح وتضعیف میں من مانی کیا کرتے ہیں۔[علمی مقالات:۳۱۷/۳]

علی زئی صاحب یہ بھی لکھتے ہیں:

''شیخ البانی نے صحیح مسلم کی صحیح روایات پر حملہ کیا۔'' [علمی مقالات:۲۱۰/۶]

علی زئی صاحب صحیح حدیثوں پر حملہ کرنے والے البانی کو ''محدث العصر اور امام المحدثین'' بھی کہتے ہیں۔[حاشیہ عبادات میں بدعات:۱۲۹]

ابوالاشبال شاغف غیر مقلد،البانی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''تصحیح وتضعیف کا اصول بھی ان کے نزدیک مَن مانا تھا کوئی مسلّمہ اصول نہیں تھا اور یہی وجہ ہے کہ کسی حدیث کو ایک جگہ ضعیف قرار دیا تو دوسری جگہ اس کی تصحیح کردی کسی جگہ کسی راوی کو ثقہ قرار دیا تو دوسری جگہ ضعیف اور اس کی بے شمار مثالیں ان کی تحریروں میں مِل سکتی ہیں'' [مقالاتِ شاغف:۳۶۷]

محمد امین صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''کچھ عرصہ سے اہلِ حدیث یا محدثین کے نام پر ایک نیا اندازِ فکر متعارف کروایا جا رہا ہے جسے اہلِ ظاہر یا خوارج کا اندازِ فکر کہا جا سکتا ہے جس میں اعتدال نام کی کوئی چیز نہیں بلکہ انتہاء پسندانہ رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔تشدد کو پسندیدہ خیال کیا جاتا ہے۔بعض متشدد محدثین کے اصول جنہیں جمہور محدثین نے ترک کر دیا تھا دوبارہ نافذ کئے جا رہے ہیں۔معتبر احادیث کو سند میں معمولی ضعف کی وجہ سے غیر معتبر قرار دے کر ان پر عمل کرنے کو ناجائز قرار دیا جا رہا ہے جب کہ جمہور محدثین نے ان احادیث کو شواہد اور قبولیت کی

وجہ سے حسن قرار دے کر قابلِ عمل قرار دیا تھا۔صحاح ستہ میں (سے) اس قسم کی احادیث کی عظیم مقدار کو باقاعدہ ''ضِعاف'' کے عنوان سے الگ جمع کردیا گیا ہے اور عوام الناس کو ان پر عمل نہ کرنے کی تلقین کی جارہی ہے۔حالانکہ اصولِ حدیث کے لحاظ سے متاخر محدثین کی تصحیح وتضعیف معتبر نہیں۔''

[نماز کے بعد دعائے اجتماعی:۱۱۹ تالیف عبدالجبار سلفی غیرمقلد]

علی زئی کا طرزِ عمل بھی ملاحظہ فرمالیں خبیب اثری صاحب غیر مقلد اِن کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حسن لغیرہ کا مطلق طور پر انکار کرنے والے جس انداز سے متاخرین محدثین کی کاوشوں کو رائیگاں کرنے کی سعی نامشکور کررہے ہیں،اسی طرح متقدمین میں جہابذہ ٔفن کے راویان کی طبقہ بندی کی بھی ناقدری کرتے ہیں اور وہ حسبِ خیال فرامینِ نبویہ کی خدمت میں مصروف ہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ''

[مقالاتِ اثریہ:۵۸]

اثری صاحب دوسری جگہ علی زئی صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:

''احادیث کی تصحیح اور تعلیل میں جمہور محدثین کی بالخصوص اور جمہور متاخرین کی بالعموم مخالفت کررہے ہیں'' [مقالاتِ اثریہ:۳۶۶]

۵۰۲

یہاں علی زئی نے بات مبہم رکھی ہے،وہ کن کو ''بدعقیدہ'' کہہ رہے ہیں۔البتہ اسی مضمون میں آگے چل کر اس کا مصداق دیوبندیوں کو قرار دیا ہے مگر وہ اس پر کوئی دلیل نہیں دے سکے۔

پھر علی زئی کا یہ دعویٰ خود ان کے دیگر غیر مقلدین کے خلاف ہے کیونکہ وہ علمائے دیوبند کو صحیح العقیدہ کہتے ہیں جیسا کہ حاشیہ:۴۹۵،۴۹۷ میں باحوالہ ان کی اعترافی عبارتیں نقل ہو چکیں۔مزید تسلی کے لیے بندہ کی کتاب ''غیر مقلدین کا علمائے دیوبند کو خراجِ تحسین'' مطالعہ فرمائیں۔

۵۰۳

''خودساختہ اکابر'' کہنے کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہی تاثر دینا چاہ رہے ہیں کہ ان اکابر کو مقتدا اللہ تعالیٰ نے نہیں بنایا۔اگر یہی مقصود ہے تو سوال یہ ہے کہ جن صالحین کے آثار پر عمل پیرا ہونا علی زئی صحیح العقیدہ لوگوں کا منہج بتارہے ہیں ان صالحین کو مقتدا وامام اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے؟

اور یہ بھی بتایا جائے غرباء اہلِ حدیث میں جو امامت کا نظام پایا جاتا ہے یہاں تک کہ اس امامت کی وجہ سے غرباء کو ''فرقہ امامیہ'' بھی کہا جاتا ہے۔غرباء کے ان اماموں کے امام ہونے کی سند اللہ تعالیٰ نے

دی ہے؟صحیفہ اہلِ حدیث کی درج ذیل عبارت سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ غرباء والے ’’امامت من جانب اللہ‘‘ کے قائل ہیں:

’’یہ کتابچہ ایک فریاد ہے ان لوگوں کے لیے جو اہلِ حدیث ہونے کے مدعی بھی ہیں اور امامت من جانب اللہ بعد از نبی کے قائل بھی۔‘‘[صحیفہ اہل حدیث ۱۳۹۰ھ یکم جمادی الثانی:۱۷]

۵۰۴

علی زئی دیوبندیوں کو ’’بدعقیدہ‘‘ قرار دے کر کہہ رہے ہیں کہ وہ قرآن وحدیث کے خلاف اکابر کی پیروی کرتے ہیں مگر جس طرح ان کا دیوبندیوں کو بدعقیدہ کہنا غلط ہے اسی طرح اگلی بات بھی غلط ہے کہ دیوبندی حضرات قرآن وحدیث کے خلاف اپنے اکابر کے پیچھے چلتے ہیں۔

علی زئی سمیت آلِ غیر مقلدیت کو اعتراف ہے کہ احناف قرآن وحدیث کو حجت شرعیہ مانتے ہیں۔

محمد حسین بٹالوی غیر مقلد کہتے ہیں:

’’مذاہب اربعہ ان مجموعہ مسائل کا نام ہے جو کتاب اللہ وحدیث رسول واجماع وقیاس سے ماخوذ ہیں۔‘‘[تاریخ اہلِ حدیث:۱/۲۰۳ ڈاکٹر بہاؤالدین]

مذاہب اربعہ سے مراد حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی مذہب ہیں۔اس عبارت میں واضح طور پر یہ اعتراف موجود ہے کہ حنفی مذہب کے مسائل قرآن و حدیث سے ماخوذ ہیں۔اور ہماری اسی کتاب میں غیر مقلدین کا یہ اعتراف بھی منقول ہو چکا کہ دیوبندی صحیح معنیٰ میں حنفی ہیں۔

اسماعیل سلفی غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’دیوبندی سے میری مراد مدرسہ دیوبند نہیں، بلکہ وہ مکتب خیال ہے جس کی اشاعت کے لیے مدرسہ دیوبند کی تاسیس عمل میں آئی، یعنی کتاب وسنت کو حضرت امام ابوحنیفہ اور اُن کے تلامذہ کے نطقۂ نظر سے سمجھنا۔‘‘[مقالات وفتاویٰ:۲۳۷]

اس عبارت میں اعتراف ہے کہ دیوبندی کتاب وسنت کو سمجھنے کے لیے امام کی پیروی کرتے ہیں۔

میر محمد ابراہیم سیالکوٹی غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’حضرات مقلدین بھی اپنے مذہب کی تائید انہی دفاتر حدیث سے پیش کرتے ہیں۔‘‘

[تاریخ اہلِ حدیث:۱۶۴]

خود علی زئی نے اعتراف کیا ہے:

''دیوبند کے نزدیک ادلۂ شرعیہ چار ہیں:

۱: قرآن مجید ۲: احادیث (صحیحہ مرفوعہ) ۳: اجماعِ امت (اجماع مجتہدین)

۴: اجتہاد'' [علمی مقالات: ۶/۴۶۲]

قوسین کے الفاظ بھی علی زئی ہی کے ہیں۔

یہاں اہلِ حدیث ہونے کے دعوے داروں کا حال بھی ملاحظہ فرماتے چلیں کہ وہ قرآن وحدیث کو ترجیح دیتے ہیں یا ان کے خلاف اپنے اکابر کو؟

عبدالجبار کھنڈیلوی (مدرس مدرسہ اہلِ حدیث کھنڈیلہ ضلع جے پور) فرقہ غرباء اہلِ حدیث کے نظریات بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''رفتہ رفتہ جماعت اہلِ حدیث کھنڈیلہ میں بھی یہ خیالات پیدا ہونے لگے اور مولوی [عبدالوہاب دہلوی (ناقل)] صاحب کے دعووں کی تصدیق کرنے لگے اور غیر مبایعین کو جاہلیت کی موت مارنے لگے اور اس امامت نے ایک طرح کی تقلید ضلالت کی شکل اختیار کر لی۔ اور مولوی صاحب کے اجتہادی مسائل کو یہ لوگ بے چوں وچرا جو خلاف قرآن وحدیث تھے تسلیم کرنے لگے مثل مرغ کی قربانی اور دھیلی پاؤلے کا بازار سے گوشت خرید کر بانٹ دینے کا نام قربانی رکھنا...'' [مقاصد الامامۃ: ۳ مشمولہ رسائل اہل حدیث جلد اول]

خواجہ محمد قاسم غیر مقلد لکھتے ہیں:

''جاہل مجتہد: اہلحدیث میں ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کو تو کفر کہتے ہیں لیکن اپنے امام وقت کے اتنے سخت مقلد ہوتے ہیں کہ کسی کو معاف ہی نہیں کرتے جیسا کہ اسلامی جماعت والے مودودی رحمۃ اللہ علیہ صاحب کے مقلد ہیں ان کے سامنے نہ قرآن وحدیث، نہ ائمہ دین ہیں ان کا سب کچھ جناب مودودی صاحب ہیں۔ اس روش پر چلنے والے آج کل شیخ ناصرالدین البانی کے مقلد بن گئے ہیں جب کوئی بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں البانی صاحب نے اسے ضعیف کہا ہے حالانکہ اکثر ضعیف اور خبر واحد جیسی باتیں صرف اس لئے کی جاتی ہیں کہ حدیث کے مقام کو کچھ کیا جائے۔''

[قد قامت الصلوٰۃ: ۱۰]

صحیفہ میں لکھا ہے:

''اخبار اہلِ حدیث جس کی پستی نظر کی رسائی بمصداق ''تھکا اونٹ سرائے کو تکتا ہے'' صرف کلامِ شوکانی تک ہے جس کو... جناب امام الائمہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ کو نظر انداز کر کے زید وبکر کے قیل وقال پر گھمنڈ ہے۔'' [صحیفہ اہل حدیث دہلی: ۱۳۵۵ھ ذیقعدہ: ۱۰] (جاری)

☆......☆......☆......☆

مولانا مجیب الرحمٰن، ڈیرہ اسماعیل خان

بے اصل باتیں یا حقائق؟

ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف صاحب کی تحقیقات پر ایک نظر!

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

نت نئے جدید محققین پیدا ہو کر دین کے مسلسل متواتر ومشہور نقل ہونے والے عقائد واعمال وواقعات وقصص پر ریسرچ وتحقیق کرتے ہوئے بہت سی باتوں کا انکار کر رہے ہیں، اللہ تعالی اِس امتِ ضعیفہ کو سب طرح کے فتنوں سے محفوظ رکھے آمین۔

ذیل میں چند باتوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کو نئے محقق ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف صاحب بے ثبوت بتا رہے ہیں، مؤدبانہ عرض کی جاتی ہے کہ جناب عالی کسی حدیث، اور واقعہ اور عقیدہ کی روایت کو بے اصل قرار دینے سے پہلے اُس کی تمام سندیں دیکھ لیا کریں پھر بھی بے اصل ثابت ہو تو تب ہی عوام وخواص کو اُس کے بے اصل ہونے سے آگاہ فرمائیں، ورنہ آدھی تحقیق سے خود بھی پریشان ہوں گے، دوسروں کو بھی پریشان کریں گے۔

ابوجہل کو سزا:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں میدان بدر کے کنارے کنارے جا رہا تھا کہ زمین میں سے ایک شخص نمودار ہوا جس کے گردن میں زنجیر تھی، جسے ایک کالے رنگ کا شخص تھامے ہوئے تھا، اور اُس کے دوسرے ہاتھ میں کوڑا تھا، اُس آدمی نے مجھ سے کہا: عبداللہ! مجھے پانی پلا دو، عبداللہ فرماتے ہیں مجھے معلوم نہیں کہ اُس نے مجھے جانا (پہچانا) یا یوں ہی مجھے عبداللہ (بمعنی اے اللہ کے بندے!) کہہ دیا، اس پر اُس کالے شخص نے کہا: اسے پانی نہ پلاؤ، پھر اُسے زور سے کھینچا اور دونوں زمین میں داخل ہوئے، میں نے نبی اکرم ﷺ کے پاس آکر سارا واقعہ سنایا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو نے اُسے دیکھا؟ یہ ابوجہل تھا اور اُسے قیامت تک اس عذاب میں مبتلا رکھا جائے گا۔

[المعجم الأوسط طبرانی ۵/۵۳، ۵۴، حدیث ۶۵۶۰، السنة لالکائی ۲/۱۵۶، رقم ۲۱۴۸]

اس روایت کی کئی سندیں ہیں:

سنداول:

امام ابن الاعرابی احمد بن محمد بن زیاد بصری (م ۳۴۰ھ) کی سند ہے، وہ ابن عفان سے وہ عباءة

بن کلیب لیثی سے وہ جویریہ بن اسماء سے وہ نافع سے وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

[**معجم ابن الاعرابی رقم ۱۳۸۱،اثبات عذاب القبر للبیهقی:۱۳۵،تاریخ اصبهان لابی نعیم :۳۰۴**]

(۱)......اس سند کے راوی امام ابن الاعرابی تو تعارف کے محتاج نہیں ہیں،تمام ائمہ حدیث اس کی تعریف وتوثیق کرتے ہیں۔[ارشادالقاصی والدانی الی تراجم شیوخ الطبرانی]

(۲)......حسن بن علی ابن عفان کوفی (م۲۷۰ھ) **المحدث الثقه المسند** ہیں،ابوداؤد،ابن ماجہ کے راوی ہیں۔

(۳)......عباء ہ بن کلیب لیثی سچا راوی ہے، البتہ اس کی حدیث میں نکارت ہوتی ہے۔[الکاشف] اس کے اوہام ہوتے ہیں۔[تقریب:۳۱۲۰] اس کی روایت میں نکارت کسی اور راوی کے سبب ہوسکتی ہے، اور ممکن ہے خود اِس کو وہم ہوتے ہوں،مگر اِس سے ضعیف نہیں ہوتا،نہ اُس کی روایت ضعیف ہوجاتی ہے،**وَمَنْ ذَا سَلِمَ مِنَ الْوَهْم**.

(۴)......جویریہ بن اسماء بن عبید ضبعی بصری (م۱۷۳ھ) بخاری مسلم ابوداؤد نسائی ابن ماجہ کا راوی ہے سچا ہے۔[تقریب]

(۵)......نافع مولی ابن عمر ابوعبداللہ مدنی (م۱۱۷ھ) صحاح ستہ کا راوی ہے،ثقہ، ثبت، فقیہ ہے۔[تقریب]

(۶)......اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تو صحابی بن صحابی ہے۔

اس سند کے دوسرے طریق میں عباء ہ سے روایت کرنے والے علی بن محمد طنافسی ہیں، جو ثقہ اور سچے راوی ہیں۔[الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم:۶/۲۰۲، الثقات لابن حبان رقم:۱۴۴۶۳] اور علی بن محمد سے روایت کرنے والے ابوسعید جبیر بن ہارون ہیں، یہ بھی صدوق (سچے) راوی ہیں ذہبی بڑی شان ومرتبہ والا بتاتے ہیں۔ [ارشادالقاصی والدانی:۱/۲۳۳] اور جبیر سے روایت کرنے والے ابوبکر محمد بن جعفر بن یوسف ہیں،امام ابونعیم اصفہانی کے استاذ ہیں،المؤدب سے ملقب ہیں۔[مصباح الاریب]

یہ سند بالکل صحیح ہے،اور اگر عباء ہ کے اوہام سے اوہام پیدا ہوں تو حسن ہونے میں ذرا شک نہیں ہے،مگر وہم ضد،تعصب، اَنا کا کوئی علاج نہیں ہے،غیر مقلد محقق علامہ ناصرالدین البانی عباء ہ لیثی کی سند والی روایت کو حسن صحیح کہتے ہیں۔[ابن ماجہ مع تحقیق محمد فواد عبدالباقی وحکم الالبانی: ۱/۶۴۵] علامہ شعیب الارنؤوط بھی عباء ہ کی سند کو حسن کہتے ہوئے عباء ہ کو صراحۃ حسن الحدیث کہتے ہیں۔[سنن ابن ماجہ مع تحقیق شعیب الارنؤوط:۳/۱۶۸] امام حاکم نے عباء ہ کی سند والی روایت کو صحیح الاسناد فرمایا۔[مستدرک:۳/۵۶۵] جس پر امام ذہبی نے تنقید نہیں کی بلکہ فرمایا: عباء ہ کو ابوحاتم نے سچا قرار دیا ہے۔[مختصر تلخیص الذہبی مع

التعلیقات:۲۲۷۸/۵]

البتہ اِس سندوالی روایت میں پورا قصہ تو یوں ہی ہے،لیکن اُس کے شروع میں ہے کہ میں غزوہ ابواء سے آ رہا تھا کہ قبروں کے پاس سے گذرا،اور اُس کے آخر میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ کو خبر دی اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ: وہ ابو جہل تھا،لیکن پوری روایت واضح کرتی ہے کہ وہی قصہ ہے۔

سند۲:

امام ابن ابی الدنیا جو حافظ حدیث ومحدث عظیم کتب کثیرہ کے مصنف ہیں،ان کی سند ہے،وہ عبدالرحمٰن بن صالح العتکی سے،وہ خالد بن حیان ابو یزید الرقی سے وہ کلثوم بن جوشن القشیری وہ یحییٰ المدنی سے وہ سالم بن عبداللہ سے وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

(۱)......عبدالرحمٰن بن صالح العتکی ابو محمد کوفی (م ۲۳۵ھ) نسائی کا راوی ہے،جس کو امام یحییٰ بن معین اور ابو حاتم ثقہ کہتے ہیں،ابن حجر کہتے ہیں: سچا راوی ہے،البتہ تشیع اختیار کرتا ہے۔[تقریب] امام احمد اُن کو اپنے قریب کرتے تھے تو کسی نے اُن کو کہا رافضی ہے۔[محض محبت اہل بیت پر بھی یہ الزام لگا دیا جاتا تھا جیسا کہ امام حاکم پر بھی الزام لگایا گیا ہے۔] تو امام احمد نے فرمایا: سبحان اللہ! وہ تو ایسا آدمی ہے جو اہل بیتِ نبی سے محبت کرتا ہے،اور ثقہ ہے۔ابن معین کہتے ہیں: ثقہ سچا شیعی راوی ہے،اُس کو آسمان سے گرنا زیادہ پسند ہے آدھے حرف میں جھوٹ بولنے سے۔ابو حاتم کہتے ہیں: سچا راوی ہے۔ابو القاسم بغوی کہتے ہیں: میں نے اُس سے سنا نبی کے بعد امت میں سے سب سے افضل حضرت ابو بکر اور عمر ہیں رضی اللہ عنہما ہیں۔ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا۔ابن عدی کہتے ہیں: اُس کو حدیث میں ضعیف ہونے سے ذکر نہیں کیا گیا،اور نہ وہ حدیث میں متہم ہے،مگر اُس میں جو تشیع تھا اس میں جلا بھنا تھا۔[تہذیب التہذیب رقم:۴۰۱]

(۲)......خالد بن حیان ابو یزید الرقی الکندی (م ۱۹۱ھ) سچا راوی ہے،البتہ غلطیاں کرتا ہے۔[تقریب] امام احمد ونسائی وابن خراش ودار قطنی کہتے ہیں: لا بأس بہ ہے۔(یعنی ثقہ) ابن معین وابن عمار بھی ثقہ کہتے ہیں۔ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا۔علی بن حسن نسائی بھی کہا کہ: ثقہ ہے۔[تہذیب التہذیب] خطیب نے ضبط وحفظ حدیث میں کچھ کمزور بتایا ہے۔

(۳)......کلثوم بن جوشن القشیری الرقی کو ابن حبان نے ثقات میں بھی اور ضعفاء میں بھی ذکر کیا ہے۔ابن معین نے لا بأس بہ (ثقہ) کہا۔امام بخاری نے بھی ثقہ بتایا ہے۔ابو داؤد دوا زدی منکر الحدیث بتاتے ہیں۔[تہذیب التہذیب] ابن شاہین نے لا بأس بہ (یعنی ثقہ) کہا ہے۔[تاریخ

الثقات: ۱۱۸۳] صحیح یہ ہے کہ: یہ راوی ادنی درجہ کا ضعیف اور حسن الحدیث درجے کا راوی ہے۔

(۴)......یحییٰ بن سعید بن قیس انصاری مدنی سب محدثین نے اُس کی تعریف وتوثیق کی ہے، کسی نے ضعیف نہیں کہا۔

(۵)......سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب رحمہم اللہ بھی تعارف کے محتاج نہیں ہیں، سب محدثین نے اُس کی تعریف کی ہے۔

(۶)......اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تو صاحبِ واقعہ صحابی بن صحابی ہیں۔

علامہ شعیب الارنوؤط ابن ماجہ پر تعلیقات میں فرماتے ہیں: کلثوم بن جوشن قشیری مختلف فیہ راوی ہے، تو اُس کی حدیث شواہد میں حسن ہوگی۔[ابن ماجہ مع تعلیقات: ۲۷۲/۳] علامہ ظفر احمد عثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مختلف فیہ راوی کی روایت حسن ہوگی۔[قواعد فی علوم الحدیث ملحقه مع اعلاء السنن، رقم الصفحة: ۸۸۹۳مسلسلاً ، ط دار الفکر]

غیر مقلد عالم جناب ناصر الدین البانی عبدالرحمٰن بن صالح عتکی کی سند سے مروی ایک روایت کے بارے میں کہتے ہیں کہ: اس روایت کے راوی ثقہ ہیں۔[سلسلة الاحاديث الصحيحة :۷۹۷/۶] تو یہ سند بھی حسن درجہ سے کم نہیں ہے۔

البتہ اِس سند سے مروی روایت کے آخر میں بھی یہ ذکر نہیں کہ انہوں نے آکر رسول اللہ ﷺ سے اِس کا ذکر کیا اور آپ ﷺ نے بتایا کہ ابوجہل تھا، مگر الفاظ صاف ہیں کہ واقعہ وہی ہے۔

سند ۳:

امام طبرانی والکائی کی سند ہے کہ طبرانی محمد بن ابی غسان سے وہ عمرو بن یوسف بن یزید بصری سے وہ عبداللہ بن محمد بن مغیرہ سے وہ مالک بن مغول سے وہ نافع سے وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

اور امام الکائی عبیداللہ بن احمد سے وہ حسین بن اسماعیل سے وہ محمد بن یوسف سے وہ عبداللہ بن محمد بن المغیرہ سے وہ مالک بن مغول سے الخ۔

(۲/۱) حضرت عبداللہ بن عمر اور نافع محتاج تعارف نہیں ہیں۔

(۳) مالک بن مغول کوفی صحاح ستہ کا راوی ہے، ثقہ وثبت ہے۔[تقریب]

(۴) عبداللہ بن محمد بن مغیرہ کوفی، اِس راوی پر محدثین نے جرح کی ہے، ابن عدی کہتے ہیں اِس کی اکثر احادیث میں اِس کا کوئی متابع نہیں ہوتا، اور باوجودیکہ ضعیف ہے اِس کی حدیث لکھی جائے گی۔[الکامل] نہ اِس راوی پر جھوٹ کا الزام ہے، نہ حدیث گھڑنے کا الزام ہے، اِس لیے اِس کی روایت

صرف ضعیف ہوتی ہے نہ کہ من گھڑت اور بے اصل ہوتی ہے۔

(۵) عمرو بن یوسف بن یزید بصری، مجہول ہے۔

(٦) محمد بن ابی غسان، ابوعلاثہ، (م ۲۹۱ھ) طبرانی کے استاذ ہیں، اصل نام محمد بن احمد بن عیاض ہے، امام ذہبی کہتے ہیں: سچا راوی ہے، علم فرائض میں سردار ہے۔ [ارشاد القاصی والدانی: ۴۹٦] اور امام طبرانی محدث عظیم ہیں۔

اور الکائی کی سند میں عبداللہ بن محمد بن مغیرہ سے روایت کرنے والا محمد بن یوسف ہے۔

محمد بن یوسف بن ابی معمر ابوجعفر سعدی ثقہ ہے [تاریخ الاسلام ذہبی: ٦/۴۲۹، رقم: ۴۹۳]

اور محمد بن یوسف سے روایت کرنے والا حسین بن اسماعیل ہے، یہ حسین بن اسماعیل بن محمد بن اسماعیل ضبی قاضی محاملی (م ۳۳۰ھ) ہے، فاضل سچا دیندار راوی ہے۔ [تاریخ بغداد: ۸/۲۰]

اور حسین سے روایت کرنے والا عبیداللہ بن احمد بن علی المقریی ہے، عتیقی فرماتے ہیں: ثقہ وقابل اعتماد ہے، عبیداللہ ازہری نے بھی ثقہ کہا ہے۔ [تاریخ الاسلام ذہبی: ۲۷/۳٦۰]

اور عبیداللہ المقرئی سے روایت کرنے والے امام ہبۃ اللہ بن حسن الکائی طبری (م ۴۱۸ھ) ہیں، الحافظ الامام، الفقیہ شافعی محدث بغداد ہیں۔ [طبقات علماء الحدیث: ۳/۲۷۹]

امام طبرانی کی سند میں ایک راوی مجہول اور دوسرا ضعیف ہے۔ جب کہ الکائی کی سند میں صرف ایک ضعیف ہے، اس لئے طبرانی کی سند سے الکائی کی سند قوی ہے، بہر حال گو کہ یہ سند ضعیف ہے مگر متن حدیث کا حسن صحیح درجے کا ہے۔

سند ٤:

امام ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں، ابن ابی الدنیا حسن بن عبدالعزیز جروی سے وہ ضمرہ سے وہ ابن شوذب سے وہ ابویحیٰ عمرو بن دینار مولی آل زبیر سے، وہ سالم بن عبداللہ سے وہ عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ: میں حج یا عمرہ کے سفر پر نکلا، رویثہ مقام میں تھا اور میرا سامان آگے چلا گیا تھا، میں پانی کے پاس آیا سواری کو پلایا اور برتن بھرے، پانی والوں نے میرا سنا تو اکٹھے ہو گئے اور مجھ سے کچھ مانگتے تھے، ایک آدمی نے اُن کو میرا سامان آگے چلے جانے کا بتایا، اور کہا اِس کو چھوڑ دو کہ اِس کا تو سامان آگے چلا گیا ہے، تو انہوں نے چھوڑ دیا، پھر میں قبلہ رخ بعض قبروں کے پاس سے گذرا، تو وہاں سے ایک آدمی میرے پاس نکلا، اُس کی گردن میں زنجیر تھی، جس سے آگ بھڑک رہی تھی، اُس زنجیر کو ایک اور شخص نے ہاتھ میں پکڑا تھا، جب اُس کو سواری نے دیکھا سواری بھاگ پڑی، تو وہ مجھے آواز دیتا تھا عبداللہ! مجھ پر پانی ڈال دو، وہ دوسرا شخص کہتا تھا عبداللہ! اِس پر پانی نہ ڈالنا، نامعلوم وہ میرا نام جانتا تھا یا جیسے لوگ

کہا کرتے ہیں ایسے عبداللہ کہتا تھا، پھر میں مڑ کر دیکھا تو دوسرا شخص اُس کو مار کر اندر لے گیا تھا۔[من عاش بعد الموت، رقم:۳۴]

ظاہر یہ ہے کہ یہ روایت بھی اُسی واقعہ سے متعلق ہے، اس کی سند میں راوی

(۱) حسن بن عبدالعزیز جروی مصری (م ۲۵۷ھ) ہے، ثقہ ثبت عابد فاضل ہے، بخاری کا راوی ہے۔[تقریب]

(۲) ضمرہ بن ربیعہ فلسطینی ابوعبداللہ رملی (م ۲۰۲ھ) سنن اربعہ وادب المفرد للبخاری کا راوی ہے، سچا راوی ہے، بہت کم وہم میں مبتلا ہوتا ہے۔[تقریب]

(۳) عمرو بن دینار ابویحییٰ بصری (م حدود ۱۳۰ھ)، ترمذی ابن ماجہ کا راوی ہے، ضعیف ہے۔[تقریب] لیکن امام عجلی نے اُس کو ثقات میں درج کیا اور فرمایا: قوی راوی نہیں ہے، لیکن اِس کی حدیث لکھی جائے۔[الثقات للعجلی، رقم:۱۳۷۸] جس کا مطلب سوائے اس کے نہیں کہ سخت درجہ کا ضعیف راوی نہیں ہے۔

(۴) سالم بن عبداللہ بن عمر سات فقہاء میں سے ایک ثبت عابد فاضل صحاح ستہ کا راوی ہے۔[تقریب]

(۵) اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما صحابی ہیں۔

تو یہ متعدد سندیں صاف واضح کرتی ہیں کہ: واقعہ بالکل صحیح ہے، محقق صاحب کو اس حدیث کی تحقیق کی خاص ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کی کئی وجہیں ہوسکتی ہیں:

اول: یہ حدیث ظاہر کرتی ہے کہ عذاب قبر (اِسی زمین والی) قبر میں ہوتا ہے، مگر یہ (سراج الاسلام حنیف صاحب) سمجھتے ہیں کہ عذاب قبر ہوتا تو ہے، مگر اِس قبر میں نہیں ہوتا۔

دوم: یہ حدیث ظاہر کرتی ہے کہ جہاں حدیثوں میں عذاب قبر ذکر ہو وہاں قبر سے یہی قبر مراد ہوتی ہے، مگر یہ محقق اِس قبر کو قبر نہیں مانتے۔

سوم: یہ حدیث ظاہر کرتی ہے کہ عذاب قبر صرف روح کو نہیں ہوتا جسم کو (اور وہ بھی جسم عنصری کو) عذاب ہوتا ہے مگر یہ محقق صرف روح کو کسی خاص مقام میں عذاب مانتے ہیں۔

اِس قسم کے واقعات اور بھی بہت ہیں، جن سے یہ سب باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

امام بخاری کی قبر سے خوشبو:

محمد بن ابی حاتم وراق سے روایت ہے کہ میں نے ابومنصور غالب بن جبریل خرتنگی سمرقندی سے سنا کہ امام بخاری نے وفات سے پہلے وصیت کی کہ مجھے تین کپڑوں میں کفن پہناؤ، جس میں قمیص اور عمامہ نہ

ہو، جب ہم نے اُن کا نماز جنازہ پڑھا، اور آپ کو قبر میں دفن کیا تو مٹی سے مشک کی خوش بو اور مہک آتی رہی، اور عرصہ دراز تک لوگ دور دور سے آ کر قبر کی مٹی کو (بطور تبرک) لے جاتے رہے یہاں تک کہ ہم نے اس کو اینٹوں سے ڈھانک دیا۔

[طبقات الشافعیۃ الکبریٰ:۲/۲۳۳، ۲۳۴، سیر اعلام النبلاء:۱۲/۴۶۶، ۴۶۷، ہدی الساری:۴۹۳]

اس کے راوی محمد بن ابی حاتم الوراق النحوی ہیں، جو غالب بن جبریل سے روایت کرتے ہیں۔

(۱) محمد بن ابی حاتم رحمہ اللہ سے متعلق علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وراقة الامام الجليل ابو[ابی]عبدالله محمدبن ابی حاتم الوراق ،وهو النّاسخ وكان ملازمهٔ سفراًوحضراًفكتب كتبه.[تغليق التعليق:۵/۴۳۷] امام صاحبِ مرتبہ ابوعبداللہ (بخاری) کے کاتب محمد بن ابی حاتم وراق، جو نقل کرنے والے ہیں، یہ امام بخاری رحمہ اللہ سے سفر و حضر میں چمٹے رہتے تھے اور انہوں نے امام بخاری رحمہ اللہ کی کتابیں لکھی ہیں۔

امام بخاری نے اپنی کتابوں کی کتابت اور مصاحبت کے لئے اِن پر اعتماد کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے حالات پر اُنہوں نے کتاب لکھی ہے، جس کا نام "**شمائل البخاری**" ہے، جو طبع نہیں ہوئی، لیکن جن حضرات نے بھی امام بخاری کے حالات لکھے اُن میں بکثرت حضرات نے اُس سے واقعات نقل کئے ہیں، اور اُن کا لکھا ہوا بخاری کا ترجمہ (حال) سب سے زیادہ معتبر مانا جاتا ہے کیوں کہ وہ امام بخاری رحمہ اللہ کے بہت قریب تھے۔ **[التوشیخ لشرح الجامع الصحیح لابن الملقن:۱/۵۱، ۵۲]** بخاری شریف کا ایک نسخہ بھی اُنہی کا تحریر کردہ ہے۔ **[روايات الجامع الصحيح ونسخه دكتور جمعه فتحی عبدالحليم:۲/۴۵۵]**

محمد بن ابی حاتم الوراق کے اساتذہ میں امام بخاری، یحییٰ بن جعفر بیکندی، حاشد بن اسماعیل، سلیم بن مجاہد، ابوعمر والمستنیر بن عتیق، محمد بن قتیبہ، علی بن حجر، وغیرہ ہیں، اور اُن سے روایات لینے والے شاگردوں میں صرف محمد بن یوسف بن مطر فربری کا ذکر آتا ہے، اور یہ فربری بھی وراق کی طرح امام بخاری کے براہ راست شاگرد اور بخاری شریف کے راوی و سامع ہیں، گویا وراق پر امام بخاری (استاذ) اور فربری (شاگرد) دونوں کو اعتماد ہے۔

(۲) غالب بن جبریل وہ شخص ہے جس کے پاس خرتنگ پہنچ کر امام بخاری ٹھہرے تھے، خطیب کہتے ہیں: ہمیں ازہری نے بیان کیا کہ: ابوسعد ادریسی کہتے ہیں: غالب بن جبریل خرتنگی سمرقندی ایک شیخ ہیں، کنیت ابومنصور ہے، امام بخاری اُنہی کے پاس ٹھہرے تھے اور اُنہی کے پاس وفات پائی، اور اُنہوں نے ہی امام صاحب رحمہ اللہ کے دفن کے انتظامات کیے تھے، مجھے اُس کی کوئی مسند حدیث معلوم نہیں ہے، بیان

کیا جاتا ہے کہ اس سے امام بخاری کی حکایات وفضائل نقل کیے جاتے ہیں،اور مجھے بتایا گیا کہ امام بخاری کے تھوڑا عرصہ بعد اُنہوں نے وفات پائی اورامام بخاری کے پہلو میں دفن کرنے کی وصیت کی تھی۔ [تجرید الاسماء والکنی:۲/۴/۱۷۱،مولفہ عبید اللہ بن علی ابوالقاسم بن ابی الفرج بغدادی حنبلی م۵۸۰ھ،المتفق والمختلف للخطیب بغدادی:۳/۱۷۶۴]

امام عبدالکریم بن محمد بن منصور سمعانی (م۵۶۲ھ) اورابوالحسن علی بن ابی الکرم ابن الاثیر (م۶۳۰ھ) نے بھی اِن کا ذکر کیا ہے۔[الانساب:۵/۷۹،اللباب فی تھذیب الانساب:۱/۴۳۰]

اِس راوی پر جرح کا کوئی کلمہ کسی محدث محقق نے نہیں بولا بلکہ اِن کی نقل پر اعتماد اور جرح نہ کرنا یہی اُس کی توثیق ہے۔مسلمان میں اصل تعدیل وتوثیق ہے،آج کے محققین اور بزرگ جس کے پاس آخری اوقاتِ زندگی گذاریں اوروفات پاجائیں تو اُن محققین کی سوانح لکھنے والوں میں سے ایک ایک فرد اُس صاحب سے سن سن کر آخری حالات لکھتے ہیں،اوراُس صاحب کو خوش نصیب اور ثقہ سمجھتے ہیں،عدم اعتماد کا یہ پیمانہ آج کیوں پیش نظر نہیں رہتا،اورامام بخاری کی آخری خدمات انجام دینے والے اِس خوش نصیب کے لیے عدم اعتماد کا یہ پیمانہ کس لیے؟

اِن دونوں راویوں کی اِس روایت پر محدثین وشارحین اعتماد کرکے اپنی تصانیف میں ذکر کررہے ہیں،پھرجدید محققین کیوں اِس واقعہ کے اِن راویوں پر تعدیل وتوثیق کا کوئی کلمہ نہ ہونے کے سبب غیر مطمئن ہیں؟

ایک وجہ تو وہ ہے جو ہمارے ذہن میں آتی ہے،اوروہ وہ ہے جس کی طرف اوپر بھی صراحت ہوئی کہ اِن کے نزدیک اِس زمینی قبر کے اندر کچھ بھی نہیں ہوتا،نہ قبر میں حیات ہوتی ہے نہ ہی عذاب وثواب، (اوراندرخوش بوہوگی تب باہر پھوٹے گی،اوراندرخوش بونہیں ہوسکتی) کیوں کہ خوش بو کی ضرورت خوش بوسونگ سکنے والے کو ہے،اورقبر میں حیات وحس ہوتب ہی صاحب قبر خوش بو سونگے گا،اورجب حیات نہیں توخوشبو کیا اور بدبو کیا؟عذاب کیا اورراحت کیا؟

امام بخاری رحمہ اللہ کی قبر پر استشفاع:

اورایک اوروجہ محقق صاحب خود یہ بیان کرتے ہیں کہ:

”اس سے ایک بدعت ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ بدعت کیا ہے؟ ایک دوسری کہانی پڑھیئے!

ابوعلی غسانی کہتے ہیں کہ:۴۶۴ ہجری کی بات ہے کہ ہمارے پاس بلنسیہ میں شیخ ابوالفتح نصر بن حسن سکتی سمرقندی تشریف لائے،انہوں نے بتلایا کہ ہمارے یہاں سمرقند میں ایک سال ایسے ہوا کہ بارشیں

بند ہوگئیں،اور قحط پڑ گیا،لوگوں نے کئی بار بارش کے لئے دعاء کی مگر بارش نہ ہوئی،ایک نیک وصالح شخص جو نیکی میں معروف تھا،وہ سمرقند کے قاضی کے پاس آ کر کہنے لگا کہ: میری ایک رائے ہے،کہیں تو عرض کروں؟ قاضی نے کہا: بتلاؤ کیا ہے؟اس نے کہا کہ آپ اورآپ کے پاس عوام الناس امام بخاری رحمہ اللہ کی قبر پر جائیں جو کہ خرتنگ میں ہے،اورآپ کی قبر کے نزدیک بارش کی دعاء کریں، مجھے امید ہے کہ اللہ تعالی ہمیں بارش سے سیراب فرمائیں گے،قاضی صاحب نے کہا: بہت اچھاخیال ہے، چنانچہ قاضی صاحب اورعوام الناس امام بخاری کی قبر پر گئے،قاضی صاحب نے عوام کے ساتھ مل کر بارش کی دعاء کی،اورلوگ امام بخاری کی قبر کے نزدیک خوب روئے ،اورصاحب قبر(امام بخاری) سے استشفاع کیا،(یعنی ان سے عرض کیا کہ آپ بھی ہمارے لئے اللہ تعالی کے حضور میں باران رحمت کی دعاء کریں) اللہ تعالی نے اس دعاء،گریہ وزاری اوراستشفاع کے طفیل ایسی باران رحمت نازل فرمائی کہ اس کی وجہ سے لوگوں کوسات دن تک خرتنگ میں ٹھہرنا پڑا،بارش کی کثرت کی وجہ سے کوئی بھی سمرقند نہیں پہنچ سکتا تھا، حالاں کہ خرتنگ اورسمرقند کے درمیان صرف تین میل کا فاصلہ تھا۔"

[طبقات الشافعیۃ الکبری:۲/۲۳۳،۲۳۴، سیراعلام النبلاء:۱۲/۴۶۹]

اس لیے" نہ تو خوش بو والی بات درست ہے،اورنہ اُن کی قبر کے پاس استشفاع،اگر یہ جائز ہوتا تو قحط کے زمانے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس جا کر استشفاع کرتے۔"

حقیقت یہ ہے کہ قبر سے خوش بو محسوس ہونا اورقبر کے پاس استشفاع الگ الگ باتیں ہیں اِن میں کوئی جوڑ نہیں ہے،مگر اِس محقق نے نامعلوم کیسے اِن کو جوڑ دیا؟

قبروں سے خوش بو:

بہت سے اسلاف واخلاف کی قبروں سے خوش بو محسوس کی گئی ہے،تو کیا ایسے واقعات بیان کرنے والوں نے استشفاع عندالقبور کی بدعت شروع کرنے کا ارادہ کیا تھا؟ پھر تو ایسے واقعات ظاہر کرنے میں اللہ تعالی کا بھی یہی ارادہ ہوگا؟

امام ابن جوزی رحمہ اللہ وغیرہ نے تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ سنہ ۲۷۶ھ میں ایک ٹیلہ بصرہ میں کھل گیا جس میں سات قبریں حوض کی طرح کی تھیں،جن میں سات آدمی تھے،اُن کے جسم صحیح سالم اورکفنوں سے کستوری کی سی خوش بو پھیل رہی تھی۔[شرح الصدور:۲/۱۷۲،اھوال القبور:۱/۷،البدایہ:۱۱/۵۶،مرآۃ الزمان:۱۶/۱۲۸،النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصروالقاہرۃ:۳/۷۵،تجارب الامم۴/۴۸۳، المنتظم فی تاریخ الملوک والامم:۱۲/۲۷۳،الروض المعطارفی خبرالاقطار:۱/۱۰۷]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اورکئی حضرات بیان کرتے ہیں کہ ہم نے جنت البقیع میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قبر سے خوشبو سونگھی، کستوری کی سی خوش بو مہکتی تھی۔[شرح الصدور:۲/۱۷۲،

اہوال القبور:۲۷،عمدۃ القاری:۲۶۸/۱۶،مرأۃ الزمان۳۵۷/۳،اکمال تہذیب الکمال:۲۴۹/۵،الطبقات الکبری:۳۲۹/۳،**باسانید متعددۃ حسنۃ**،سیر اعلام النبلاء:۲۵/۱]

محمد بن شرحبیل بن حسنہ کہتے ہیں:ایک آدمی نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی قبر سے مٹی اٹھائی،اُس کو بعد میں کھول کر دیکھا تو کستوری تھی۔[اہوال القبور:۲۷، شرح الصدور:۱۷۳، اسد الغابہ:۹۰/۵، الاصابہ:۲۶۷/۶،بسند حسن، الطبقات الکبری لابن سعد:۳۲/۳]

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی جب سولی دیئے گئے تو کستوری کی خوشبو اُن کے بدن سے مہکتی تھی حتی کہ ظالموں نے بدبودار مردہ کتا یا بلی اُن کے ساتھ باندھ دی تھی تو بھی خوشبو غالب تھی۔

[الطبقات الکبری متمم الصحابۃ:۱۱۵/۲،البدایہ:۳۴۱/۸]

سکین بن مکین (یا مسکین بن بکیر) کہتے ہیں وراد عجلی جب فوت ہوئے اور قبر کی طرف اٹھالیے گئے،قبر میں رکھنے کے لئے لوگ اترے تو قبر میں خوشبودار پھول بچھے تھے،کسی نے ایک پھول اٹھایا تو ستر دن تک تروتازہ رہا۔[شرح الصدور:۱۷۲،الرقۃ والبکاء لابن ابی الدنیا،ح:۲۷۱]

امام محمد بن مخلد دوری حافظ فرماتے ہیں: میری والدہ فوت ہوگئیں، میں قبر میں اترا، کھود رہا تھا، تو ساتھ والی قبر سے ذرا سا حصہ کھل گیا،اس میں ایک مرد تھا جس کے نئے کفن تھے،سینے پر تازہ چنبیلی کا گلدستہ تھا،میں نے لے کر سونگھا تو وہ کستوری سے بھی زیادہ خوش بودار تھا،میرے ساتھ موجود دوسروں نے بھی اس کو سونگھا،پھر میں نے قبر بند کردی۔[شرح الصدور:۱۷۲،المنتظم فی تاریخ الملوک والامم:۳۲/۱۴،تاریخ بغداد:۸۰/۴،طبقات علماء الحدیث:۱۶/۳]

مغیرہ بن حبیبہ وعطاء سلمی وشعبہ ابوسلمہ سعید بن زید[یا ابن یزید] ومالک بن دینار وغیرہ کہتے ہیں کہ: حضرت عبداللہ بن غالب حدانی مجاہد فی سبیل اللہ کی قبر سے خوش بو آتی تھی،ہم نے قبر کی مٹی خود سونگھی اُس سے کستوری کی خوشبو پائی۔[شعب الایمان:۱۶۷/۶،حلیۃ الاولیاء:۲۴۷/۶،مختصر قیام اللیل للمروزی: ۶۶، المستخرج من کتب الناس ابوالقاسم ابن مندۃ اصفہانی:۱۰۹/۳،مرأۃ الزمان:۲۲۹/۱۲،شرح البخاری للسفیری: ۵۴/۱،المنتظم فی تاریخ الملوک والامم:۲۵۵/۷، المحن :۲۴۹،۲۵۰،ذکر من لہ الایات ومن تکلم بعد الموت للنجادم: ۲۴۸ھ،رقم:۴۲،الاولیاء لابن ابی الدنیا:۳۴،رقم:۸۰،العزلۃ والانفراد:۳۹،رقم۷۷، اکمال تہذیب الکمال:۱۱۲/۸،التاریخ الاوسط للبخاری: ۱۸۰/۱، ۱۸۱، الثقات لابن حبان:۲۰/۵،مشاہیر علماء الامصار:۱۴۶/۱،الانساب للسمعانی:۸۴/۴،انساب الاشراف للبلاذری:۳۶۴/۱۳]

حضرت ابوالحارث ابومعاویہ عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کی قبر سے خوشبو سونگھی گئی۔[انساب الاشراف للبلاذری:۳۸۸/۹،الاستیعاب:۱۰۲۱/۳، العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین:۱۵۱/۵]

بہت سے حضرات کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قبر سے بھی کستوری کی سی خوش بو محسوس ہوتی تھی۔[العقدالثمین فی تاریخ البلدالامین :۳۷۴/۴]

امام احمد بن الحسین بن احمد بن القاسم بن احمد بن ابی البرکات اسماعیل سید تھے، سنہ ۶۵۶ھ کو شہید کیے گئے، اُن کی قبر سے کستوری کی سی خوش بو پائی جاتی تھی۔[قلادۃ النحر فی وفیات اعیان الدھر:۲۴۷/۵]

صالح شیخ محمد بن محمد بن عبدالرحمٰن تمیمی ابن الحلفاوی تونسی (م۷۱۵ھ) کی قبر سے کستوری کی خوشبو پائی گئی۔[الاحاطۃ فی اخبارغرناطۃ:۲۰۶/۳]

سنہ ۲۶۷ھ کو ایک چٹان کھلی جس کے نیچے نو قبریں تھیں، بدن صحیح سالم، کفنوں سے کستوری کی خوش بو تھی۔[البستان الجامع لجمیع تواریخ اھل الزمان:۱۹۴/۱]

الشیخ صالح زین الدین عبدالرحمٰن بن ہبۃ اللہ معری حلبی رحمہ اللہ (م۷۴۹ھ) کی قبر سے بھی کستوری وعنبر کی خوشبو سے بڑھ کر خوش بو پائی گئی۔[المختصر فی اخبار البشر ۱۵۴/۴، تاریخ ابن الوردی:۳۴۱/۲]

فقیہ ابوالولید عبدالملک بن محمد بن ابی میسرہ یافعی (ساکن جبل صلو) جو امام حدیث تھے، حاظنہ مقام میں اُن کی قبر ہے، سنہ ۴۷۳ھ کو فوت ہوئے جو بھی زیارت کرتا اُس کو اُن کی قبر سے کستوری کی خوش بو محسوس ہوتی۔[السلوک فی طبقات العلماء والملوک:۲۴۲/۱]

امام ابوعبداللہ محمد بن ابی نصر فتوح بن عبداللہ بن حمید الحمیدی اندلسی میورقی (م۴۸۸ھ) جو **الجمع بین الصحیحین** وغیرہ کتابوں کے مصنف ہیں، جب فوت ہوئے بشر حافی کے پاس تدفین کی وصیت کی مگر وصیت پر عمل نہ کیا گیا، آخر بعد میں اُنہیں جائے دفن سے منتقل کیا گیا تو کفن تازہ تھا، جسم تروتازہ تھا جس میں سے کستوری کی خوش بو مہک رہی تھی۔[الوافی بالوفیات: ۲۲۵/۴، تاریخ الاسلام ذہبی: ۲۸۰/۳۳، طبقات علماء الحدیث:۴۱۲/۳، سیراعلام النبلاء:۱۲۶/۱، تذکرۃ الحفاظ:۱۵/۴، تاریخ دمشق:۸۱/۵۵]

الملک الصالح بن نورالدین شہید حلبی رحمہ اللہ کی قبر پہلے قلعہ حلب کے پاس تھی پھر ملک ناصر نے اُن کی قبر خانقاہ حلب کی طرف منتقل کی تو لوگوں نے اُن کی قبر سے کستوری کی سی خوش بو سونگھی۔

[کنوزالذھب فی تاریخ حلب:۱۱۲/۱]

عابد وصالح موسیٰ بن عبیدہ بن نشیط ربذی مدنی (م۱۵۳ھ) جو ترمذی ابن ماجہ کے راوی ہیں، زید بن حباب کہتے ہیں ہم نے اُن کی قبر سے کستوری کی خوش بو سونگھی تھی۔

[تھذیب التھذیب:۳۵۹/۱۰، میزان الاعتدال:۲۱۳/۴، تہذیب الکمال:۱۱۳/۲۹]

جناب عالی! یہ وہ خوش بو ہے جو قیامت میں شہداء کے جسموں سے تازہ خون بہتے ہوئے مہکے گی، روزہ داروں کے مونہوں سے مچلے گی، نیک اعمال کی برکات سے جنت کی ہواؤں فضاؤں سے محسوس

ہوگی، کبھی کسی سے اُس کی قبر اور جسم سے پھوٹ پڑتی ہے، اِس میں قصور بیچارے بیان کرنے والوں کا بھی نہیں ہے، نہ مردوں کا ہے، اگر قصور ہے تو مہکانے والے اللہ تعالی کا ہے، ابھی قریب میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری، مولانا موسیٰ خان صاحب روحانی بازی، مولانا عبداللہ شہید اسلام آبادی، غازی عبدالرشید شہید اسلام آبادی، استاد جی مولانا صوفی محمد سرور صاحب وغیرہم رحمہم اللہ کے ایسے واقعات نمودار ہوئے تو کیا یہ سب خوشبوئیں سونگھنے والے اور بیان کرنے والے ایک بدعت عام کرنے میں کوشاں تھے؟ ایک ثقہ کیا بلکہ غیر ثقہ کو بھی کسی اللہ والے کی قبر سے خوشبو آجائے اور وہ خوشی میں آکر بیان کردے تو اُس کا بیان کرنا جرم کیوں ہے؟ پھر کتابوں میں نقل کرنے والوں کو خیال کیوں نہ آیا کہ یہ تو ایک بدعت کا سبب بنے گا؟ یا وہ اُس کو بدعت نہیں سمجھتے تھے جس کو یہ محقق بدعت کہہ رہے ہیں؟

نبی کریم ﷺ اور بزرگوں کی قبروں سے تبرک، اور استشفاع:

رہی یہ بات کہ: ''امام بخاری کی قبر کے پاس استشفاع کیا اور یہ بدعت ہے۔'' سوال یہ ہے کہ اِس کو نقل کرنے والے

(۱) امام تاج الدین عبدالوہاب بن تقی الدین سبکی شافعی (م ۷۷۱ھ) رحمہ اللہ

(۲) امام محمد بن احمد بن عثمان ذہبی حنبلی [م ۷۴۸ھ، شاگرد خاص علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ

[تاریخ الاسلام ۱۹/۱۹۵]

(۳) علامہ احمد بن محمد بن ابی بکر قسطلانی (م ۹۲۳ھ)[شرح القسطلانی: ۱/۳۹]

(۴) ملا علی بن سلطان قاری حنفی (م ۱۰۱۴ھ)[مرقات: ۱/۱۷]

(۵) امام ابوالقاسم خلف بن عبدالملک بن بشکوال (م ۵۷۸ھ)

[**الصلة فی تاریخ ائمة الاندلس**: ۱/۶۰۳]

(۶) امام ابوبکر محمد بن اسماعیل بن خلفون (م ۶۳۶ھ)[المعلم بشیوخ البخاری ومسلم: ۱/۲۶]

وغیرہم رحمہم اللہ، جنہوں نے خاموشی کے ساتھ اِس کو ذکر کیا یہ بدعتی تھے یا سنی؟ ظاہر یہ لگتا ہے کہ اِن حضرات نے اِس کو ذکر کر کے سکوت اس لئے کرلیا کہ یہ عمل جائز ہے، نہ کہ بدعت ہے، تو پھر اب کے محقق کیسے بدعت کہہ سکتے ہیں؟

اصل بات تبرک کی ہے، کسی بھی بابرکت شخصیت اور جگہ سے تبرک حاصل کرنا جائز اور ثابت ہے، تبرک کی ایک شکل اُس جگہ دعاء کرنا اور اس کی قبولیت ہے، امام بخاری رحمہ اللہ بھی بہت عظیم بابرکت شخصیت تھے، اُن کی قبر بھی ایسی بابرکت ہوگئی کہ اُس کے قریب دعاء قبول ہوتی تھی، اور بس، اِس سے زیادہ اِس واقعہ سے غلط نتائج اخذ نہ کیجیے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ بابرکت مقامات میں دعائیں قبول ہوتی ہیں، ایسے بابرکت

مقام دو قسم کے ہوسکتے ہیں: ایک وہ جن کی یہ برکت نص سے ثابت ہو، دوسرے وہ جن کی برکت نص سے تو ثابت نہ ہو لیکن تجربہ سے ثابت ہوئی ہو، تو اگر بزرگوں کے تجربہ میں امام بخاری کی قبر بھی ایسے مقامات میں سے ہوئی تو اُس سے کیا حرج لازم آتا ہے؟

درج ذیل چند بزرگوں کی قبروں کے پاس دعاء قبول ہونا ذکر ہے۔

(۱) صالح بن احمد بن محمد بن احمد بن صالح۔۔۔تمیمی ہمدانی الحافظ سمسار (م۳۸۴ھ)

[تاریخ الاسلام ذہبی: ۲۷/۷۷، شذرات الذھب: ۴۴۲/۴، طبقات الحفاظ للسیوطی: ۳۹۲/۱]

(۲) ابن لال احمد بن علی بن احمد بن محمد بن الفرج ابوبکر ہمدانی فقیہ شافعی (م۳۹۸ھ)

[تاریخ الاسلام: ۳۵۴/۲۷، شذرات الذھب: ۵۱۴/۴]

(۳) فقیہ شافعی نصر بن ابراہیم بن نصر بن ابراہیم بن داؤد مقدسی نابلسی (م۴۹۰ھ)

[شذرات الذھب بحوالہ نووی: ۳۹۷/۵]

(۴) صالح بن یونس ابوشعیب واسطی زاہد (م۲۸۲ھ) [تاریخ الاسلام: ۱۹۳/۲۱]

(۵) علی بن ابی القاسم بن غزی ابوالحسن دمیاطی [حاشیہ سخاوی، تاریخ الاسلام: ۳۶۶/۴۷]

(۶) سیف الدین علی بن یوسف بن ابی الفوارس قیمری ابوالحسن (م۶۵۳ھ)

[شذرات الذھب: ۴۵۰/۷]

(۷) الشیخ الکبیر ابوبکر بن داؤد صالحی حنبلی فقیہ، (م۸۰۶ھ) [شذرات الذھب: ۹۰/۹]

(۸) خیر الدین خلیل بن قاسم بن حاجی صفا حنفی (م۸۷۹ھ)

[شذرات الذھب: ۴۸۶/۹، الشقائق النعمانیة فی علماء الدولة العثمانیة: ۷۲/۱]

(۹) الشیخ ولی زاہد احمد دقاق [اختصار الاخبار عما کان بثغر ستة من سنی الآثار: ۱۵/۱] وغیرہ وغیرہ

حضور ﷺ کی قبر اطہر پر استشفاع اور درخواست کرنا:

رہی یہ بات کہ: ''اگر ایسا عمل جائز ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسا کرتے۔'' تو تسلی رکھیۓ! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا کیا ہے۔

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ سخت قحط پڑا، اور اُس کی وجہ سے بے حد تکلیف پیش آئی، گاؤں کا رہنے والا ایک شخص اعرابی رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہوا، اور آپ سے درخواست کی کہ آپ کی امت نہایت تکلیف میں ہے، اور اُس کی ہلاکت اور بربادی کا خطرہ ہے، آپ اللہ تعالی سے دعاء کریں کہ اللہ تعالی بارش برسائے، آپ کی قبر کے پاس دعاء کر کے یہ شخص چلا گیا، رات کو خواب میں رسول اللہ ﷺ اس شخص سے ملے اور فرمایا کہ عمر کے پاس جاؤ، اور اُس سے میرا اسلام کہو، اور یہ خبر دے

دو کہ ان شاء اللہ تعالی بارش ہوگی،اور عمر سے کہہ دو کہ وہ عقل مندی ہی کو لازم پکڑے، صبح ہوئی تو وہ شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا،اور خواب کا یہ سارا ماجرا اُن کو سنا دیا، یہ خبر سن کر (مارے خوشی کے) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے،اور فرمایا کہ میرے رب! جو چیز میرے بس میں ہے اُس کے بارے میں تو کبھی میں نے کوتاہی نہیں کی۔[**مصنف ابن ابی شیبة:۴۸۲/۷،۴۸۳، الاستیعاب:۲۳۰/۲، فتح الباری:۱۴۳/۳،تاریخ دمشق لابن عساکر:۴۸۹/۵۶،التاریخ الکبیر لابن ابی خیثمة:۸۰/۲،البدایة:۹۲/۷**]

علامہ ابن حجر عسقلانی (م۸۵۲ھ)[**فتح الباری:۲۳۰/۳**]اور علامہ ابن حجر ہیتمی (م)(بحوالہ **الفتوحات الربانیة علی الاذکار النوویة:۳۶/۵** مولفہ محمد بن علان صدیقی شافعی مکی، م۱۰۵۷ھ)اور علامہ احمد بن محمد بن ابی بکر قسطلانی مصری (م۹۲۳ھ)[**المواھب اللدنیة:۳۷۴/۳**] اور علامہ زاہد الکوثری مصری[**مقالات الکوثری:۲۸۸**]اور امام ابن کثیر (م۷۷۴ھ)[**البدایة:۹۲/۷، مسند الفاروق:۳۱۷/۷**]اور محمد الخضر بن سید عبداللہ شنقیطی (م۱۳۵۴ھ)[**کوثر المعانی الدراری فی کشف خبایا صحیح البخاری:۳۴۲/۱۰**]رحمہم اللہ نے اِس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

یہ آدمی جو قبر نبوی پر حاضر ہوا اور بارش کی دعاء کی درخواست کی کون ہے؟

اخباری عالم سیف بن عمر ضبی نے اِس شخص کی تعیین حضرت بلال بن حارث مزنی صحابی رضی اللہ عنہ سے کی ہے۔[البدایہ، فتح الباری]

اگر صحابی تھا تو حضرت بلال مزنی ہو یا کوئی اور مجہول صحابی ہو اُس کی جہالت مضر نہیں ہے، بہر حال یہ صحابی کا عمل ہوا،اور اگر صحابی نہیں تھا تو پھر بلا شبہ تابعی تھا،اور تابعی نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں عمل کیا،اور جب خواب آکر بیان کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُس پر نا جائز ہونے کا کوئی تبصرہ نہیں کیا، بلکہ عملاً اُس کے خواب کو سچا سمجھے،تو تابعی کے اِس عمل کی تائید صحابی سے ہوگئی، محقق سراج الاسلام نے اس واقعہ کے بے بنیاد ہونے پر جو تبصرہ کیا اس قابل نہیں کہ اُس پر تبصرہ کیا جائے، محض ہوائی قلعے ہیں۔

پھر آپ ﷺ کی خدمت میں کچھ عرض کرنا صحابہ کے علاوہ حضرات سے بھی منقول ہیں:

(۲)......امام ابو بکر ابن المقری محمد بن ابراہیم بن علی بن عاصم اصبہانی رحمہ اللہ [م۳۸۱ھ،تذکرۃ الحفاظ ذہبی:۱۲۲/۳] بیان کرتے ہیں کہ میں اور امام طبرانی اور ابو الشیخ رسول اللہ ﷺ کے حرم میں تھے اور ہمیں سخت بھوک لگی تھی،اور (مجبوراً) صوم وصال رکھا تھا، جب عشاء کا وقت ہوا، میں نبی کریم ﷺ کی قبر کے پاس حاضر ہوا،اور عرض کیا: یا رسول اللہ! بھوک ہے، یہ کہہ کر میں واپس ہوگیا اور (سویا) مجھے نیند آگئی،ابو الشیخ اور طبرانی کچھ دیکھ رہے تھے،تو ایک علوی (سیّد) آیا اُس کے ساتھ دو لڑکے (یا غلام) تھے، ہر ایک کے ہاتھ

میں زنبیل تھی جس میں کافی کچھ تھا، تو ہم بیٹھ گئے اور ہم نے کھایا، اور جو باقی بچا اُس کو اپنے پاس رکھ لیا، اُس علوی نے کہا: اے لوگو! تم نے رسول اللہ ﷺ کو شکایت کی، تو مجھے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی، آپ ﷺ نے حکم دیا کہ تمہارے پاس کچھ لاؤں۔

[خلاصۃ الوفا: ۴۱۸/۱، تاریخ الاسلام ذہبی: ۳۹/۲۷، تذکرۃ الحفاظ: ۱۲۲/۳، سیر اعلام النبلاء: ۳۸۲/۱۲]

(۳)......ابوالفضل احمد بن عبدالکریم بن مقاتل قیروانی مقری بیان کرتے ہیں کہ: میں نے قاضی ابوالعباس احمد بن عمر بن احمد باجی (تونسی) سے سنا، وہ کہتے ہیں: میں نے ابوالعباس احمد بن نفیس مقری ضریر تونسی سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ: میں نے مدینہ طیبہ میں تین دن بھوک برداشت کی، تو حضور ﷺ کی قبر کے پاس حاضر ہوا، اور عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے بھوک ہے، پھر میں کمزوری کی حالت میں رات گذارنے لگا، تو ایک لڑکی نے اپنے پاؤں کی ٹھوکر سے مجھے جگایا، اور میں اٹھ کر اُس کے ساتھ اُس کے گھر کی طرف چلا، اُس نے مجھے روٹی کھجور اور گھی پیش کیا، اور کہنے لگی ابوالعباس! کھاؤ، میرے نانا ﷺ نے مجھے اِس کا حکم دیا، اور جب بھی تجھے بھوک لگے ہمارے پاس آجانا۔

[خلاصۃ الوفا: ۴۱۸/۱، معجم السفر مولفہ ابوطاہر صدرالدین احمد بن محمد بن احمد اصبہانی، م ۵۷۶ھ، صفحہ ۳۵]

(۴)......امام حافظ ابوعبدالرحمٰن سلمی (م ۴۱۲ھ) کہتے ہیں میں نے منصور بن عبداللہ اصبہانی سے سنا، وہ کہتے ہیں: میں نے ابوالخیر اقطع حماد بن عبداللہ شامی رحمہ اللہ سے سنا کہ: میں فاقہ سے تھا مدینہ طیبہ داخل ہوا، پانچ دن میں نے کچھ نہ چکھا، تو قبر مبارک پر حاضر ہوا اور حضور ﷺ اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو سلام عرض کیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں آج رات آپ کا مہمان ہوں، پھر میں منبر کے پاس سو گیا، خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی، حضرت ابوبکرؓ آپ ﷺ کے دائیں اور عمرؓ بائیں تھے، اور حضرت علیؓ آگے تھے، تو مجھے حضرت علیؓ نے ہلایا اور فرمایا: کھڑے ہوجاؤ، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں، میں کھڑا ہوا، آپ ﷺ کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا، آپ ﷺ نے روٹی عنایت فرمائی، میں نے آدھی کھالی، جاگا تو باقی آدھی میرے ہاتھ میں تھی۔ [تاریخ الاسلام ذہبی: ۴۸۸/۲۵، طبقات الاولیاء لابن الملقن: ۱۹۱/۱، ۱۹۲، طبقات الصوفیۃ للسلمی: ۲۸۱/۱]

(۵)......امام ہبۃ اللہ بن عبدالوارث بن علی بن احمد ابوالقاسم شیزاری رحمہ اللہ (حافظ ثقہ، صالح، پرہیزگار عابد، متوفی ۵۶۱ھ) اپنی والدہ فاطمہ بنت علی سے نقل کرتے ہیں کہ فرماتی ہیں: میں نے ابوعبداللہ محمد بن احمد۔۔ابن ابی زرعہ طبری سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے والد صاحب کے ساتھ مکہ مکرمہ کا سفر کیا، تو ہمیں سخت فاقہ پیش آیا، تو مدینہ طیبہ داخل ہوئے اور بھوک کے حال میں رات گذاری،۔۔۔میرے والد مجھے حضور ﷺ کی دربار میں لائے اور عرض کیا: یارسول اللہ! آج رات میں آپ کا مہمان ہوں، ایک گھڑی کے

بعد سر اٹھائے ہوئے ایک لمحہ رو پڑتے اور ایک لمحہ ہنس پڑتے، اور بتایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ نے میرے ہاتھ میں چند درہم رکھ دیئے، ہاتھ کھولا تو اُس میں درہم تھے، شیراز واپسی تک ہم وہ خرچ کرتے رہے اللہ تعالی نے اُن میں برکت ڈال دی۔[المنتظم لابن الجوزی:۳۱۴/۱۶]

اِن واقعات کو بلا تنقید نقل کرنے والے بھی بڑے بڑے موحدین محدثین ہیں، اگر اس میں عقیدہ یا عمل کی خرابی ہوتی تو یہ حضرات ہرگز ہرگز نقل نہ کرتے، وجہ یہ ہے کہ ایسا عمل عقیدہ حیات النبی کی بناء پر ہے، اور جدید محقق اس عقیدہ سے بدکتے ہیں تو توحید کی آڑ میں ایسے عمل اور واقعہ کا انکار کرتے ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ اور قبر نبوی کے پاس استشفاع:

ایسا ہی واقعہ امام مالک رحمہ اللہ سے منقول ہے

’’مشہور محدث قاضی عیاض اپنی سند کے ساتھ یہ واقعہ نقل کرتے ہیں:

[سند اس طرح ہے: **حدثنا القاضی ابوعبداللہ محمدبن عبدالرحمن الاشعری وابوالقاسم احمدبن بقی الحاکم وغیرواحدفیمااجازونیہ قالوااخبرناابوالعباس احمدبن عمرقال حدثنا ابوالحسن علی بن فہرحدثناابوبکر محمد بن احمدبن الفرج حدثنا ابوالحسن عبداللہ بن المنتاب حدثنایعقوب بن اسحاق بن ابی اسرائیل حدثناابن حمید قال ناظر ابوجعفرامیرالمؤمنین مالکاً فی مسجدرسول اللہ ﷺ الخ**

ابن حمید فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین ابوجعفر منصور کا امام مالک سے مسجد نبوی میں مناظرہ ہوا، امام مالک نے فرمایا امیر المؤمنین! اس مسجد میں آواز بلند نہ کریں، اس لیے کہ اللہ تعالی نے ایک قوم کو یہ ادب سکھلایا کہ تم اپنی آوازوں کو رسول اللہ ﷺ کی آوازوں پر بلند نہ کرو، اور ایک قوم کی تعریف کی ہے کہ بلاشبہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنی آوازیں پست کرتے ہیں، اور ایک قوم کی مذمت کی ہے سو فرمایا ہے کہ جو لوگ تجھے حجروں کے سامنے سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر شعور نہیں رکھتے، اور وفات کے بعد بھی آپ کی عزت وحرمت ایسی ہی ہے جیسا کہ زندگی میں تھی، اس پر ابوجعفر نے عاجزی کرتے ہوئے آواز پست کر لی، اور امام مالک سے دریافت کیا ابوعبداللہ! کیا میں قبلہ رخ ہو کر دعا کروں یا رسول اللہ ﷺ کی طرف رخ کروں؟ امام مالک نے فرمایا:

’’تو اپنا رخ آپ ﷺ سے کیوں پھیرتا ہے؟ حالانکہ آپ ﷺ ہی [شفاعت کبری کے ذریعے] تیرے اور تیرے دادا سیدنا آدم علیہ السلام کے قیامت کے دن اللہ تعالی کے ہاں وسیلہ ہوں گے، بلکہ آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہو، اور آپ ﷺ کو سفارشی بنا، اللہ تعالی آپ ﷺ کی سفارش قبول فرمائے گا۔‘‘ الخ

[**الشفابتعریف حقوق المصطفیٰ:۵۲۰/۲، ۵۲۱**]

جدید محقق کو امام مالک بن انس رحمہ اللہ کا یہ فرمان بھی سخت کھٹکتا ہے۔ کیوں کہ یہ قبر نبوی میں

حضور ﷺ کی حیات اور سماع عند القبر کو صاف ظاہر کرتا ہے، اس لئے اِس واقعہ کو بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں، قابل تحقیق بات یہ ہے کہ اِس واقعہ کی سند صحیح ہے یا نہیں؟ قدیم محققین میں امام سبکی اور علامہ سمہودی اِس سند کو عمدہ [جید] کہتے ہیں، اُن کے جواب میں علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے شاگرد علامہ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ سند کو ضعیف یا موضوع کہتے ہیں، قطع نظر اُن اسلاف کی تحقیق کے ہم خود ذرا تحقیق کریں کہ اِن حضرات میں سے کس کی تحقیق درست ہے؟

تحقیق طلب یہ ہے کہ سند میں راوی ابن حمید کون ہے؟ اور کیسا ہے؟ اس روایت سے متعلق پچھلے محققین نے اپنی تحقیق کا مدار ابن حمید پر رکھا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ اور اُن کے شاگرد ابن عبد الہادی کہتے ہیں کہ: یہ محمد بن حمید رازی ہے۔ سبکی کہتے ہیں کہ: یہ ابو سفیان محمد بن حمید معمری معلوم ہوتا ہے۔

امام مالک سے روایت کرنے والوں میں فقیہ مالکی محمد بن حمید بن عبد الرحیم بن شروس ہے، جن سے روایت کرنے والوں میں ابو علی الحسن بن احمد صنعانی، اور ابو بکر محمد بن محمود بن نشیط صنعانی، علی بن المبارک صنعانی اور دیگر اہل یمن ہیں

[جمھرۃ تراجم الفقھاء المالکیۃ: ۱۰۵۳/۲، التدوین فی اخبار قزوین: ۴۸۶/۱، ۴۰۱/۳، تاریخ ذہبی]

(۲) دوسرے محمد بن حمید ابو سفیان معمری (۱۸۲ھ) ہیں (منکرین کہتے ہیں کہ اُس وقت یعقوب بن اسحاق بن ابی اسرائیل پیدا نہیں ہوئے تھے۔)

حقیقت یہ ہے کہ سوائے دعوی کے خارج میں اِس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس حکایت کا راوی محمد بن حمید رازی ہے، اِس واقعہ کی جو سند قاضی عیاض کی ہے کتب حدیث و تاریخ میں تلاش بسیار کے باوجود کسی بھی روایت و حکایت کی یہ سند کہیں نہیں ملتی، پھر کس طرح متعین کر دیا گیا کہ یہ ابن حمید رازی ہی ہے؟ کوئی محقق پورا زور صرف کر کے بھی **یعقوب بن اسحاق بن ابی اسرائیل عن ابن حمید الرازی** کی سند نہیں نکال سکا اور نہ نکال سکتا ہے، اس بارے جو کچھ کہا گیا اور کہا جاتا ہے محض اندازے ہیں، اگر آپ تلاش کریں کہ یعقوب کن کن سے روایت کرنے والا ہے تو آپ کو کوئی محمد بن حمید نہیں ملے گا، اور اگر امام مالک سے روایت کرنے والے تلاش کریں تو روایت کرنے والوں میں کوئی محمد بن حمید رازی نہیں ملے گا، نتیجہ صفر ہی نکلے گا، اور اگر آپ محمد بن حمید معمری مان لیں تو امام مالک سے روایت کرنے والوں میں اس کا ذکر ملتا ہے، مگر اُن سے روایت لینے والوں میں یعقوب نہیں ملتا، پھر یعقوب اور معمری کے درمیان انقطاع ماننا ہوگا، مگر انقطاع میں اتنی خرابی نہیں جتنی محض اندازے اور سینہ زوری سے راوی ابن حمید رازی ماننے میں خرابی ہے، کیوں کہ انقطاع کچھ بادلیل تو ہوگا جب کہ یہاں ابن حمید سے مراد ابن حمید رازی ہونے

کی کوئی کمزور سی دلیل بھی نہیں ہے۔

اچھا فرض کر کے مان لیا کہ سند میں ابن حمید سے مراد ابن حمید بن حیان تمیمی رازی ہے، تو یہ درست ہے کہ اِس پر محدثین نے کلام بھی کیا ہے لیکن کئی محدثین نے اِس کی تعریف وتوثیق بھی کی ہے، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: جب تک محمد بن حمید زندہ رہے رَے میں علم باقی رہے گا، اور فرماتے ہیں اُن کی عبداللہ بن مبارک اور جریر سے روایت صحیح ہے، اور اہل رَے سے جو حدیث ہے وہ وہی زیادہ جانتے ہیں، محمد بن اسحاق صاغانی نے حدیث بیان کرتے ہوئے ابن حمید کی روایت بیان کی تو ابوقریش محمد بن جمعہ نے عرض کیا: آپ ابن حمید سے حدیث بیان کرتے ہیں؟ فرمایا: میں کیسے بیان نہ کروں جب کہ ابن حمید سے امام احمد اور یحییٰ بن معین نے حدیث بیان کی ہے، ابن ابی خیثمہ کہتے ہیں کہ: امام یحییٰ بن معین سے ابن حمید کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: ثقہ ہے، لابأس بہ ہے، رازی اور ہوشیار ہے، اور فرمایا: یہ جو (غلط) روایتیں بیان کی جاتی ہیں، وہ غلطی اُس کی طرف سے نہیں اُس کے اُن شیوخ کی طرف سے ہے جن سے ابن حمید نقل کرتا ہے، جعفر بن ابی عثمان طیالسی کہتے ہیں: ابن حمید ثقہ ہے، اُس سے یحییٰ نے حدیثیں بیان کی ہیں۔[تہذیب التہذیب:۹/۱۲۷،۱۲۸،۱۲۹] فضالہ رازی کہتے ہیں کہ: میں نے امام یحییٰ بن معین سے ابن حمید رازی اور عثمان بن ابی شیبہ کوفی کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: دونوں ثقہ ہیں، امین ہیں، مامون ہیں۔[کوثر المعانی الدراری فی کشف خبایا صحیح البخاری:۳/۱۶۲] خلیلی کہتے ہیں: حافظ حدیث اور اس فن کا عالم تھا، اُس کو امام احمد و یحییٰ بن معین نے پسند کیا ہے۔[تہذیب التہذیب:۹/۱۳۱] علامہ عینی محمد بن حمید رازی کی ایک روایت ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ: سند جید حسن ہے۔[نخب الافکار:۲/۳۹۷] علامہ انور شاہ کشمیری ابن حمید کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔[فیض الباری:۱/۱۴۱۵] علامہ ہیثمی کہتے ہیں: ابن حمید ثقہ ہے اور اس کے بارے میں اختلاف ہے۔[مجمع الزوائد، ح:۱۵۵۶۸] امام ترمذی ابن حمید کی سند کو حسن کہتے ہیں۔[سنن ترمذی حدیث ۵۱۴، ۱۷۶۲، ۲۱۳۹، ۲۴۷۸] علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: ابن حمید مختلف فیہ راوی ہے۔[المطالب العالیۃ:۱۳/۸۸۹] علامہ محمد بن یوسف صالحی کہتے ہیں محمد بن حمید ثقہ ہے جس میں کلام بھی کیا گیا۔[سبل الہدیٰ والرشاد:۱۱/۴۰۲]

لہٰذا مختلف فیہ ہونے کے سبب ابن حمید رازی حسن الحدیث ہے تو سند عمدہ ہونے میں شک نہیں ہے، یہی محققین کا فیصلہ ہے، چنانچہ

علامہ محمد بن عبدالباقی مالکی (م۱۱۲۲ھ) علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ھٰذا تھور عجیب فان الحکایۃ رواھا ابوالحسن علی بن فھر فی کتابہ فضائل مالک باسناد لابأس بہ واخرجھا القاضی عیاض فی الشفاء من طریقہ عن شیوخ عدۃ من

ثقات مشائخه فمن این انها كذب وليس فی اسنادها وضاع ولا كذاب. [شرح الزرقانی علی المواهب: ۱۲/۱۹۴] (اس حکایت کو جھوٹ قرار دینا) حیران کُن جرأت ہے، کیوں کہ اس کو ابوالحسن علی بن فہر نے کتاب فضائل مالک میں ایسی سند سے روایت کیا جس میں کچھ حرج نہیں ہے (صحیح سند ہے) اور قاضی عیاض نے بھی شفاء میں اپنے متعدد ثقہ مشائخ سے نقل کرتے ہوئے روایت کیا ہے، تو جھوٹا ہونا کہاں سے حقیقت ہوا جب کہ نہ اس میں کوئی گھڑنے والا راوی ہے نہ جھوٹ بولنے والا۔

علامہ محمد بن یوسف صالحی شامی (م۹۴۲ھ) فرماتے ہیں:

وروى القاضی بسندجیّد عن ابن حمید قال ناظرالخ. [سبل الهدی والرشادفی سیرة خیر العباد: ۱۲/۳۹۵] اِس قصہ کو قاضی عیاض نے ابن حمید سے عمدہ سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

علامہ علی بن عبداللہ نورالدین سمہودی (م۹۱۱ھ) فرماتے ہیں:

وفی الشفاء بسندجیّد عن ابن حمید احدالرواة عن مالک فیمایظهر. [وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ: ۴/۱۹۶، خلاصة الوفاء: ۴۲۴] شفاء میں اُس ابن حمید سے عمدہ سند کے ساتھ یہ منقول ہے، جو امام مالک سے روایت کرنے والوں میں سے ایک ہیں جیسا کہ ظاہر ہوتا ہے۔

علامہ ابن الملقن سراج الدین عمر بن علی بن احمد شافعی مصری (م۸۰۴ھ) رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو ذکر کر کے سکوت کیا ہے۔[غاية السول فی خصائص الرسول ﷺ: ۲۷۵]

ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ (م۱۰۱۴ھ) نے بھی اِس قصہ کی شرح کرتے ہوئے سکوت کیا ہے۔ [شرح الشفاء: ۲/۷۳]

بلال: یہ کیا بے وفائی ہے؟

اسی سلسلہ کا واقعہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا ہے رسول اللہ ﷺ کے وفات پا جانے کے بعد سیدنا بلال رضی اللہ عنہ حلب چلے گئے، اور وہاں رہائش اختیار کی، جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جابیہ گئے تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے شام آنے کو کہا، جو انہوں نے قبول کیا، اور یہاں آ جانے کے بعد ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک رات حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی، اور آپ نے فرمایا: بلال! یہ کیا بے وفائی ہے؟ تم ہماری زیارت کیوں نہیں کرتے؟ وہ پریشان نیند سے اٹھے اپنی سواری پکڑی اور سوار ہو کر مدینہ منورہ کی راہ لی، مدینہ منورہ آ کر رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر پر پہنچ کر روتے ہوئے قبر پر لوٹ پوٹ گئے۔

۱۔علامہ محمد بن یوسف صالحی شامی رحمہ اللہ (م۹۴۲ھ) فرماتے ہیں: **روى ابن عساكر بسند جیّد عن بلال. [سبل الهدی والرشادفی سیرة خیر العباد: ۱۲/۳۵۹]** اس واقعہ کو ابن عساکر نے عمدہ سند سے حضرت بلال سے روایت کیا ہے۔

۲۔علامہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف زرقانی مالکی (م۱۱۲۲ھ) بھی بعینہ یہی الفاظ لکھتے ہیں: **روی ابن عساکر بسند جیّد عن بلال.** [**شرح الزرقانی علی المواهب اللدنية**:۵/۷۱]

۳۔علامہ عبدالقادر بن محمد الشنقیطی مالکی اشعری رحمہ اللہ (م۱۳۳۷ھ) فرماتے ہیں: **وروی ابن عساکربسندجیّد.** [**نزهة الافكارفی شرح قرة الابصار** :۲/۲۴۸] ابن عساکر نے اس کو عمدہ سند سے روایت کیا ہے۔

۴۔علامہ نورالدین علی بن احمد سمہودی رحمہ اللہ (۹۱۱ھ) فرماتے ہیں: **رواه ابن عساکر بسند جیّد عن ابی الدرداء.** [**الوفاء** :۴/۱۸۲،**خلاصة الوفاء**:۳۵۵] ابن عساکر نے اس کو عمدہ سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۵۔علامہ محمد بن علی نیموی رحمہ اللہ (م۱۳۲۲ھ) فرماتے ہیں: **رواه ابن عساکروقال التقی السبکی اسناده جیّد.** [**آثارالسنن** :۳۴۰] اس کو ابن عساکر نے روایت کیا ہے،اورتقی الدین سبکی نے فرمایا کہ اس کی سند عمدہ ہے۔

۶۔علامہ تقی الدین علی بن عبدالکافی شافعی سبکی (م۷۵٦ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **روینا ذالک باسناد جیّد الیه.** [**شفاء السقام**:۱۸۳،**طبع المکتبة العصرية صيدابيروت**] یہ واقعہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ تک عمدہ سند سے ہم تک مروی ہوا ہے۔

۷۔امام شمس الدین ذہبی محمد بن احمد بن عثمان (م۷۴۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **اسناده جیّد مافیه ضعیف لکن ابراهیم مجهول.** [**تاریخ الاسلام** :۱۷/٦۷] اس روایت کی سند عمدہ ہے،اس میں کوئی ضعیف راوی نہیں ہے،صرف ابراہیم راوی مجہول ہے۔

بعد کا کوئی محقق امام ذہبی رحمہ اللہ سے بڑھ کر اسماء الرجال کا ماہر نہیں ہوسکتا،امام ذہبی رحمہ اللہ عنہ نے سوائے ابراہیم راوی کے باقی راویوں سے متعلق فیصلہ دیا ہے کہ وہ نہ ضعیف ہیں،نہ مجہول،صرف ایک ہی راوی ہے ابراہیم،یہ ابراہیم بن محمد بن سلیمان بن بلال بن ابی الدرداء ہے،اس کی کنیت ابواسحاق ہے،اپنے باپ محمد بن سلیمان سے روایت کرتا ہے۔[تاریخ دمشق لابن عساکر] اس سے روایت کرنے والا صرف محمد بن الفیض غسانی ہے،سنہ۳۳۲ھ کو وفات پائی،مسلمان میں اصل عدالت ہے،اس لئے جب ابراہیم بن محمد بن سلیمان کا فِسق بھی ثابت نہیں تو امید ہے کہ عادل ہوگا،اسی عدل کی وجہ سے کئی حضرات نے اس واقعہ کی سند کو **جیّد** کہا ہوگا،بہرصورت زیادہ سے زیادہ ابراہیم کے سبب روایت ضعیف ہوگی،من گھڑت نہیں کہی جاسکتی،شاید اس وجہ سے امام ابن اثیر نے اُسد الغابۃ[۱/۲۴۴] میں اس قصہ کو ذکر کیا تو کسی تبصرہ سے خاموشی اختیار کی،امام ابن کثیر نے بھی مختصر لفظوں میں اس کو ذکر کیا ہے اور سکوت کیا ہے۔[البدایۃ :۷/۱۰۲] امام

محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی رحمہ اللہ (م۹۰۲ھ) نے بھی بغیر کسی تبصرہ کے ذکر کیا ہے۔[التحفة اللطيفة في تاريخ المدينة الشريفة:۲۲۱/۱]

جہاں کسی نے اِس کو منکر یا غریب کہا ہے تو اس وجہ سے کہ راوی صرف ایک ہے، اور ایک راوی کی روایت کو محدثین مُنکَر و غریب من گھڑت کے معنی میں نہیں کہا کرتے، راوی کے تفرد کے معنی میں مُنکَر و غریب کہتے ہیں، ہاں بعض حضرات (علامہ ابن حجر، سیوطی، شوکانی، محمد بن محمد درویش، نورالدین کنانی، محمد طاہر پٹنی، ملا علی قاری رحمہم اللہ) نے صاف موضوع لکھا ہے۔ ممکن ہے کہ اُن کو وضع کی کوئی علت معلوم ہوئی ہو، جو ہماری سمجھ میں آتا ہے تو نہ تو اونچے درجہ کی صحیح روایت معلوم ہوتی ہے، نہ ہی بالکل من گھڑت معلوم ہوتی ہے، بلکہ ضعیف ثابت معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے حضرت علامہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم صرف اتنا فرماتے ہیں: ''یہ روایت سنداً کمزور ہے۔'' [جہان دیدہ:۲۶۰]

حضرت ثابت بن اسلم بنانی رحمہ اللہ کا قبر میں نماز پڑھنا:

(ایک بار) حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ نے حمید سے پوچھا کہ کیا انبیاء کے علاوہ بھی کوئی اپنی قبر میں نماز پڑھے گا؟ آپ نے اس بارے میں کیا سنا ہے؟ حضرت حمید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کسی اور کے لئے تو ہم نے نہیں سُنا، تو حضرت ثابت نے (خاص اس موقع پر نہیں بلکہ دوسرے اوقات میں) یوں دعاء کی کہ: اے اللہ! اگر تو نے انبیاء علیہم السلام کے سوا بھی کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت دی تو مجھے بھی قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دینا، حضرت جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں میں نے اپنے ہاتھوں سے حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ کو اُن کی قبر میں اتارا، میرے ساتھ حمید الطّویل بھی تھے، جب ہم آپ کے اوپر کچی اینٹیں برابر کر رہے تھے، اس وقت ایک اینٹ قبر میں گر گئی، تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔

محقق جناب سراج الاسلام حنیف صاحب کو ایسے واقعات اور ایسی روایات ذرا پسند نہیں جن میں قبر کی زندگی ذکر ہو اور ثابت ہو، اس لئے اُنہوں نے اس واقعہ پر بڑی جرح کی ہے، اور ایسی روایات و واقعات کو عقائد خراب کرنے والی بتاتے ہیں۔[۵۲/بے اصل واساس کہانیاں:۷۵]

اِس واقعہ کے دو حصے ہیں، اول حصہ میں حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ کی دعا ذکر ہے، دوسرے حصہ میں اُس دعا کی قبولیت ذکر ہے، پہلے حصہ کی بہت سی سندیں ہیں:

۱۔ راوی علی بن مسلم، سیار بن حاتم، جعفر بن سلیمان ضبعی ہیں، وہ کہتے ہیں میں نے حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ سے سنا فرما رہے تھے: اے اللہ! اگر آپ نے کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے تو مجھے میں قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت عطا فرمانا۔[مسند ابن الجعد، ح:۱۳۸۰ص:۲۰۹]

علی بن مسلم بن سعید طوسی بغدادی ثقہ بخاری، ابوداؤد، نسائی کا راوی ہے۔[تقریب] سیار بن حاتم عنزی بصری ترمذی نسائی ابن ماجہ کا سچا راوی ہے، البتہ اس کے وہم ہیں۔ جعفر بن سلیمان ضبعی بصری مسلم سنن اربعہ وغیرہ کا سچا زاہد راوی ہے، البتہ تشیّع ظاہر کرتا ہے۔ (حضرت علی کو افضل واَحَب سمجھتا ہے) یہ سند کم از کم حسن درجہ کی ہے۔

بالکل اسی سند کے ساتھ امام ابن ابی الدنیا نے ھارون بن عبداللہ عن سیار سے روایت بیان کی ہے۔[موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا: ۱/۳۳۱] اور ہارون بن عبداللہ بغدادی مسلم وسنن اربعہ کا ثقہ راوی ہے۔[تقریب]

۲۔ ولید بن شجاع، ضمرۃ، ابن شوذب راوی ہیں۔ ابن شوذب کہتے ہیں: میں نے حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ سے یہی دعا کرتے سنا ہے۔[مسند ابن الجعد] ولید بن شجاع سکونی کوفی مسلم ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ کا ثقہ راوی ہے۔ ضمرہ بن ربیعہ فلسطینی رملی سنن اربعہ کا سچا راوی ہے، البتہ معمولی وہم میں پڑتا ہے، اور عبداللہ بن شوذب خراسانی بھی سنن اربعہ کا سچا اور عبادت گذار راوی ہے۔[تقریب] یہ سند بالکل صحیح ہے۔

اسی روایت کو احمد بن فضیل العکی نے بھی ضمرہ بن ربیعہ سے روایت کیا ہے۔[حلیۃ الاولیاء: ۲/۳۶۲] البتہ مولانا نعمان صاحب (فاضل بنوری ٹاؤن کراچی) نے یوسف بن عطیہ والی سند سے نقل کیا ہے، وہ سند بالکل کمزور ہے۔

ان صحیح سندوں سے صحیح ثابت ہوا کہ حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ یہ بہترین دعا فرمایا کرتے تھے۔

اُس کے بعد رہا دوسرا حصہ کہ اُن کی یہ دعا قبول ہوگئی، اور وہ قبر میں نماز پڑھتے نظر آئے ہیں؟ اگر یہ حصہ قبر میں مشاہدہ کرنے والے کمزور ترین راویوں سے بھی نقل ہو تو کیا حرج لازم آتی ہے؟ واقعہ کا یہ دوسرا حصہ ایسا ہے جس کو زیادہ لوگ مشاہدہ نہیں کر سکتے، اس لئے جس کسی ایک نے بھی اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے اس کو قبول کیا جائے گا۔ اس دوسرے حصہ کی سند کے راوی یہ ہیں: عثمان بن محمد العثمانی، اسماعیل بن علی کرابیسی، محمد بن سلیمان قزاز، شبان (جعفر) بن جسر، جسر بن فرقد۔[حلیۃ الاولیاء: ۲/۳۶۲]

اس کی سند کا آخری راوی جسر بن فرقد ہے، سعید بن عامر فرماتے ہیں: اللہ جسر پر رحم کرے، ثقہ امین اور نیک آدمی تھا۔ ابوحاتم کہتے ہیں: قوی نہیں، نیک آدمی تھا۔[الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: ۲/۵۳۸] امام قاسم بن قطلوبغا نے جسر کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔[رقم ۲۳۰۰] ساجی کہتے ہیں: سچا راوی ہے، حدیث میں کمزور ہے۔[الثقات ممن لم یقع فی الکتب الستۃ: ۳/۱۶۴] اس راوی پر نہ جھوٹ کا الزام ہے، نہ وضع (گھڑنے) کا، البتہ نیکی وعبادت میں زیادہ مشغول ہوجانے کے سبب حدیث بیان کرنے میں

غلطی کر لیتے تھے،جس سے مراد روایت بالمعنی کی صورت میں یا سند میں کچھ نہ کچھ غلطی کرنا ہے،نہ کہ اپنی طرف سے حدیث یا قصہ خود بنالینا۔

جسر سے اُس کا بیٹا جعفر بن جسر روایت کرتا ہے،امام ابوحاتم فرماتے ہیں میں نے اُس سے روایتیں لکھی ہیں، شیخ ہے،اس کا لقب شبان ہے۔[الجرح:۲/۴۷۶رقم:۱۹۳۸]امام ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے،ذہبی فرماتے ہیں: اُن راویوں میں سے ہے جن کی حدیث مان لی جاتی ہے،ہاں باپ سے منکر روایات کرتا ہے۔[تاریخ الاسلام:۲۸۸/۵]ابن عدی کہتے ہیں: جعفر کی منکر روایات ہیں،شاید وہ باپ کی طرف سے (منکر ہوگئی) ہیں کہ:باپ ضعیف کہا گیا ہے۔[میزان الاعتدال:۴۰۳/۱]

جعفر سے روایت کرنے والا محمد بن سنان قزاز بصری ہے،ابن حبان نے اس کو ثقات میں درج کیا ہے۔[رقم:۱۵۶۰۰]دارقطنی کہتے ہیں: لاباس بہ(ثقہ) ہے۔[تاریخ بغداد:۳۰۱/۳]مسلمہ بن صلت کہتے ہیں: ثقہ ہے۔[تہذیب التہذیب:۲۰۷/۹،رقم:۳۲۵]امام حاکم مستدرک میں بہت سے مقامات میں محمد بن سنان کی حدیث کو صحیح کہتے ہیں۔[مستدرک]امام حسین بن ابراہیم جوزقانی (م۵۴۳ھ) محمد بن سنان کی سند والی ایک روایت ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں: **ھؤلاء کلھم اھل الثبت والعدالة مشھورون بصحة النقل.** یہ سب راوی مضبوط عادل صحیح نقل کرنے میں مشہور ہیں۔[**الاباطیل والمناکیر والصحاح والمشاھیر**:۲۸۶/۲،**رقم**:۶۲۸]تو محمد بن سنان بھی عادل ثبت صحیح النقل ہوا، کذب کی تہمت اُن پر صحیح ثابت نہیں ہے،اگر اُس کا کچھ ثبوت ہو بھی تو کسی ایک حدیث کی سند میں غلطی کرنے پر کذب کا اطلاق ہوا ہے۔

محمد بن سنان سے روایت کرنے والا اسماعیل الکرابیسی ہے،حلیۃ الاولیاء کے ایک نسخہ میں لکھا ہے: اسماعیل بن علی الکرابیسی اس راوی کا حال کسی کتاب میں نہ مل سکا۔اسماعیل بن علی کرابیسی سے روایت کرنے والا امام ابونعیم اصفہانی کا استاذ عثمان بن محمد بن عثمان عثمانی بھی واقعی مجروح راوی ہے۔اس لئے سند کے اعتبار سے واقعہ کا دوسرا حصہ شدید ضعیف ہے۔مگر اہل حق اہل السنۃ والجماعۃ نے اِس حصہ کو عقیدۃً قبول کیا ہے،چنانچہ

(۱)حنبلی المذہب شارح حدیث زین الدین علامہ عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب حنبلی بغدادی دمشقی (م۷۹۵ھ)عظیم بزرگ ہیں،اُنہوں نے بڑی اہم کتاب لکھی ہے،"**اھوال القبور واحوال اھلھاالی النشور**" اُس میں اُنہوں نے ایک مستقل عنوان قائم فرمایا ہے:

"بعض اھل لبرزخ یُکرمه الله باعماله الصالحة علیه فی البرزخ وان لم یحصل له ثواب تلک الاعمال لانقطاع عمله بالموت ،لکن انمایبقی عمله علیه لیتنعم

بذکر الله وطاعته کمایتنعم بذالک الملائکة واهل الجنة فی الجنة و ان لم یکن لهم ثواب علی ذالک لانّ نفس الذکر والطاعة اعظم نعیماً عنداهلهامن نعیم جمیع اهل الدنیاولذاتها،فماتنعم المتنعمون بمثل ذکر الله وطاعته."[اهوال القبور:۶۸،۶۹طبع دارالکتاب العربی بیروت] بعض برزخ کے رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ نیک اعمال (کی اجازت) کے ساتھ اِکرام فرماتے ہیں اگر چہ اُن اعمال کا ثواب اُن کو نہیں ملتا، کیوں کہ موت سے عمل (کا ثواب) ختم ہوجاتا ہے،لیکن اُس کا عمل کرنا اُس کے لئے باقی چھوڑا جاتا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکراور طاعت کے ذریعے خوش عیشی حاصل کرے جس طرح فرشتے اور اہلِ جنت جنّت میں ذکر وطاعت سے خوش عیشی حاصل کریں گے اگر چہ اُن کو اُس پر ثواب نہیں ملے گا، اس لئے کہ ذکر وطاعت بذاتِ خود ذاکرین واہل طاعت کے ہاں کُل اہل دنیا اور لذتوں سے بڑھ کر بہت بڑا ذریعہِ خوش عیشی ہے، اللہ تعالیٰ کے ذکر وطاعت کی مثل کوئی چیز نہیں جس سے خوش عیش لوگوں نے خوش عیشی حاصل کی ہو۔

اس عنوان کے تحت اُنہوں نے قبر میں تلاوت کئے جانے کے واقعات کے ساتھ حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ کے نماز پڑھنے کی روایت بھی بیان کی ہے۔[ص:۷۰]

(۲) امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی مصری شافعی (م ۹۱۱ھ) رحمہ اللہ مشہور بزرگ ہیں، اُنہوں نے کتاب لکھی ہے: "**شرح الصدور بشرح حال الموتی و القبور**" اُس میں اُنہوں نے ایک مستقل عنوان دیا ہے: "**باب احوال الموتی فی قبورهم وانسهم فیها،وهل یصلون فیهاویقرؤون ویتزاورون ویتنعّمون ویلبسون ؟**" باب قبروں میں مردوں کے حالات اور قبروں میں اُن کے مانوس ہونے کا بیان، اور یہ کہ کیا وہ قبروں میں نماز پڑھتے ہیں، اور قرآن پڑھتے ہیں، اور باہم ملاقات کرتے ہیں، اور خوش عیشی حاصل کرتے ہیں، اور لباس پہنتے ہیں (یا نہیں)؟

اس عنوان کے تحت امام سیوطی رحمہ اللہ نے قبروں میں انبیاء کرام کے اور خصوصاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نماز پڑھنے کی حدیث درج فرمائی ہے، اور ساتھ ہی حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ کے قبر میں نماز پڑھنے کی روایتیں بیان فرمائی ہیں، اِس کے علاوہ قبروں میں تلاوت وغیرہ ہونے کو بھی بیان فرمایا ہے۔

[شرح الصدور:۱۶۳،۱۶۴،تا۱۷۴،طبع دارابن حزم بیروت]

(۳) علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ کا یہ قصہ ذکر فرمایا کہ وہ قبر میں نماز پڑھتے دیکھے گئے ہیں، بلکہ کئی لوگوں نے ثابت کی قبر سے تلاوت سُنی ہے، اور پھر امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے اس پر کوئی تنقیدی تبصرہ نہیں فرمایا۔[صفة الصفوة:۱۳۳/۲]

(۴) امام اسماعیل بن محمد بن الفضل طلیحی تیمی اصبہانی قوام السنة (م ۵۳۵ھ) رحمہ اللہ

نے حضرت ثابت بنانی کی قبر میں نماز پڑھنے کی دعا اور قبر میں نماز پڑھتے دیکھا جانا تسلیم کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔[**سیر السلف الصالحین: ۱۷۷، طبع ریاض**]

(۵) علامہ جمال الدین یوسف بن عبد الرحمٰن بن یوسف مزی رحمہ اللہ (م ۷۴۲ھ) نے حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ کے حالات میں اُن کا یہ دعا کرنا بھی ذکر کیا ہے، اور پھر قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جانا بھی **قِيْلَ يُقَالُ** کے بغیر یعنی تسلیم کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔

[**تهذيب الكمال فى اسماء الرجال**: ۳۴۸/۴، رقم:۸۱۱]

کیا حدیث "الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون" صحیح ثابت نہیں ہے؟

اس واقعہ کی تحقیق کے دوران محقق سراج الاسلام حنیف صاحب نے حدیث نبوی "**الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون**" پر بھی اپنی تحقیق پیش کی ہے، اور اس کو ضعیف بلکہ مُنکر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اور اس کوشش میں یک طرفہ ٹریفک چلائی ہے، اور واضح کرنا چاہا کہ اس روایت کی کوئی سند بھی صحیح نہیں ہے۔

(۱)......مثلاً: ایک سند کے راوی حسن بن قتیبہ مدائنی، مستلم بن سعید ثقفی، حجاج بن اسود، ثابت بنانی، انس رضی اللہ عنہ ہیں، اس سند میں حسن بن قتیبہ ضعیف راوی ہے۔

(2) دوسری سند کے راوی یحیٰی بن بکیر، مستلم بن سعید، حجاج بن الاسود، ثابت بنانی، انس رضی اللہ عنہ ہیں، اس میں مستلم بن سعید اور حجاج بن الاسود ضعیف ہے۔

(3) تیسری سند حضرت انس رضی اللہ عنہ سے موقوف روایت ہے، سند میں مؤمل بن اسماعیل قرشی راوی ضعیف، اور اس کا استاذ عبید اللہ بن ابی حمید ہذلی متروک الحدیث ہے۔[۵۲/ بے اصل واساس کہانیاں، حاشیہ، ص:۷۱، ۷۲]

حسن بن قتیبة مدائنی :

پہلی سند میں جو راوی حسن بن قتیبہ مدائنی خزاعی ہے، یہ درست ہے کہ اس پر محدثین نے جرح کی ہے، لیکن امام ابن عدی کہتے ہیں اُس کی غریب حسن حدیثیں ہیں، اور مجھے لگتا ہے کہ لاباس بہ (ثقہ) راوی ہے۔[الکامل: ۱۷۴/۳] ابن حبان نے اس کو ثقات میں درج کیا ہے، اور کہا ہے اہل مدائن میں سے شیخ ہے، البتہ غلطی کرتا اور دوسرے راویوں کی (سند میں) مخالفت کر لیتا ہے۔[الثقات: ۱۶۸/۸] جن محدثین نے قتیبہ میں کچھ کلام کیا ہے، اول تو وہ قتیبہ کی سندوں میں بعض غلطیوں کے سبب، نہ کہ متنِ حدیث کی کوئی غلطیاں ہیں، ثانی: اس سے زیادہ سے زیادہ روایت ضعیف بنتی ہے بے اصل اور من گھڑت ہر گز نہیں بنتی، پھر اس مضمون میں تو قتیبہ اکیلا راوی نہیں ہے، مسند ابی یعلی کی صحیح سند اُس کی مؤید ہے۔

مستلم بن سعید:

مسند ابو یعلی کی سند میں راوی مستلم بن سعید تو بالکل ثقہ ہے،امام احمد فرماتے ہیں: شیخ ہے ثقہ ہے، اہل واسط میں سے ہے، حدیث کم بیان کی ہے،ابن معین فرماتے ہیں: **صویلح** (ٹھیک) ہے۔نسائی کہتے ہیں: لاباس بہ (ثقہ) ہے۔ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا،اور فرمایا: کبھی دوسرے راویوں کے (سند میں) مخالف بیان کرتا ہے۔[۱۵۰۷۴] جب فوت ہوا تو اصبغ بن زید نے فرمایا: اگر یہ بنی اسرائیل میں ہوتا تو وہ اس کو حبر بنا دیتے۔[تہذیب التہذیب] ابن حجر فرماتے ہیں: سچا اور عابد راوی ہے، کبھی وہم میں مبتلا ہوتا ہے۔[تقریب] ابن شاہین نے بھی اس کو ثقات میں درج کیا۔[تاریخ اسماء الثقات: ۱۳۷۸] امام ذہبی کہتے ہیں: سچا راوی ہے۔[الکاشف، رقم: ۵۳۸۱] شیخ شعیب ارنؤوط فرماتے ہیں: سچا حسن الحدیث راوی ہے۔ابن حجر نے اس کے متعلق ابن حبان کے الفاظ **ربما خالف ربما وهم** سے بدل کر غلطی کی ہے [تحریر تقریب التہذیب، رقم: ۶۵۹۰] مستلم سے متعلق کسی بھی محدث کے جرح کے الفاظ یا ادنیٰ سا کلمہ ہمیں نہیں مل سکے، **ربما خالف** کوئی جرح نہیں ہے، نہ اس سے حدیث پر کچھ اثر پڑتا ہے۔

حجاج بن الاسود:

دوسرا راوی حجاج بن الاسود ہے، محقق بحوالہ ابن حجر عسقلانی [لسان المیزان] لکھتے ہیں کہ: حجاج اَن جانا راوی ہے الخ، معلوم ہوتا ہے کہ سراج الاسلام حنیف جیسے محقق کو یہ تحقیق بھی نہیں ہوئی کہ کتاب لسان المیزان کِس کتاب پر تحقیق کے لئے لکھی گئی ہے؟ اور یہ عبارت کس کی ہے؟ حقیقت اور واقعی حقیقت اور اصل تحقیق یہ ہے کہ محقق کی نقل کی ہوئی عبارت علامہ ابن حجر کی بالکل نہیں ہے، یہ تو امام ذہبی کی عبارت ہے جو اُنہوں نے میزان الاعتدال میں لکھی ہے، اور اُسی میزان الاعتدال پر تحقیق کے لئے لسان المیزان لکھی گئی ہے، لسان المیزان میں اول ذہبی کی عبارت ہے جس کو علامہ عسقلانی نے نقل کیا ہے، یہاں ذہبی کی پوری عبارت نقل کرنا لازمی معلوم ہوتا ہے:

حجاج بن الاسود عن ثابت البنانی نکرة ،ماروی عنه فیما اعلم سوی مستلم ابن سعید فاتی بخبر منکر عنه عن انس فی ان الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون رواه البیهقی انتهٰی.[لسان المیزان :۱۷۵/۲،طبع تالیفات اشرفیه،میزان الاعتدال :۴۶۰/۱،طبع دار الفکر]

اس عبارت کا ایک لفظ بھی علامہ ابن حجر کا نہیں ہے، جب محقق نے علامہ ابن حجر کا نام لیا ہے، تو اُنہیں علامہ ابن حجر کی عبارت نقل کرنی چاہیے تھی، مگر اِس محقق اور اِن کی پوری جماعت کے پاس انصاف نام کی چیز نہیں ہے، اس لئے یہ میٹھا ہپ ہپ کڑوا تھو تھو کرتے ہیں، درج بالا یہ عبارت اِن کے نظریہ کے لئے

میٹھی تھی اس لئے نقل کردی، اول ہم اِن کی میٹھی عبارت کا ترجمہ ذکر کردیتے ہیں پھر اِن کو کڑوی لگنے والی عبارت بھی پیش کرتے ہیں، درج بالا عبارت کا ترجمہ اِنہوں نے یہ کیا:

''حجاج بن اسود اَن جانا راوی ہے، مستلم بن سعید کے علاوہ کسی اور نے اس سے روایت نہیں لی، اس نے **الانبیاء احیاء فی قبورھم** والی منکر روایت نقل کی ہے، جسے بیہقی نے اس کی سند سے ذکر کیا ہے۔'' [۵۲/بے اصل واساس کہانیاں، حاشیہ،ص:۷۲]

یہ سوال اپنی جگہ رہا کہ جناب اہلیانِ اشاعت التوحید! آپ عوام کو تو دھوکہ دیتے ہیں کہ ہم پر غلط الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم حیات النبی ﷺ کے منکر ہیں، ہم تو حیات النبی ﷺ کے قائل ہیں (حتی کہ مولانا محمد مکی صاحب کا ایک تازہ کلپ بندہ کو سُنوایا گیا، وہ بھی اشاعتیوں سے متعلق اِس مغالطے کا شکار ہو گئے ہیں) تو جب تم قائل ہو تو پھر حیات النبی ﷺ کی مثبت احادیث پر یک طرفہ ناانصافی پر مبنی جرح کیوں کرتے ہو؟

اب کڑوی عبارت لیجیے، علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے **انتھٰی** کے لفظ پر اُس عبارت کا ختم ہونا ظاہر کیا، پھر خود علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:

وانما هو حجاج بن ابی زیادالاسودیعرف بزق العسل وهوبصری کان ینزل القسامل ،روی عن ثابت وجابربن زیدوابی نضرة وجماعة وعنه جریربن حازم وحمادبن سلمة وروح بن عبادة وآخرون ،قال احمدثقة ورجل صالح ،وقال ابن معین ثقة ،وقال ابوحاتم صالح الحدیث ،وذکره ابن حبان فی الثقات فقال حجاج بن ابی زیادالاسودمن اهل البصرة کان ینزل القسامة الخ.[لسان المیزان:۱۷۵/۲

] یہ راوی حجاج بن ابی زیاد اسود ہے **زق العسل** (شہد کا مشکیزہ) سے مشہور ہے، یہ بصرہ کا رہائشی ہے، یہ قسامل میں ٹھہرتا تھا، ثابت، جابر بن زید، ابی نضرہ اور ایک جماعت سے روایت لیتا ہے، اور اس سے جریر بن حازم، حماد بن سلمہ، روح بن عبادہ اور دوسرے روایت لیتے ہیں۔ امام احمد کہتے ہیں: ثقہ اور نیک آدمی ہے۔ ابن معین کہتے ہیں: ثقہ ہے۔ ابوحاتم کہتے ہیں: صحیح حدیث والا ہے۔ ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کرتے ہوئے تعارف کرایا کہ یہ حجاج بن ابی زیاد اسود اہل بصرہ میں سے ہے۔ الخ

اس عبارت میں علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام ذہبی کی ساری بات کی تردید کردی کہ آپ کہتے ہیں حجاج اَن جانا ہے، حجاج اَن جانا نہیں ہے، اُس کا یہ تعارف ہے، اور پھر سب محدثین سے اُس کی توثیق نقل کردی ہے، مگر محقق صاحب کا انصاف ہے کہ لسان المیزان بھی (اگر تو) سامنے ہے اور علامہ ابن حجر کی یہ ساری عبارت بھی سامنے ہے، مگر محقق صاحب یہ کہہ کر قارئین کو اندھا چھوڑ گئے کہ جی حجاج اَن جانا یعنی مجہول راوی ہے، کیا یہی تحقیق ہے؟ کیا یہی انصاف ہے؟

رہی بات امام ذہبی کی کہ اُنہوں نے تو کہا کہ حجاج اَن جانا ہے؟ تو یہ امام ذہبی سے غلطی ہوگئی ہے

جیسا کہ ابن حجر نے وضاحت فرمائی، پھر ہمارے سامنے مستدرک حاکم میں ایک روایت آئی ہے جس میں حجاج بن الاسود ہے، وہاں تو امام ذہبی بھی لکھ گئے ہیں: **"حجاج ثقة"** کہ حجاج بن الاسود ثقہ ہے۔

[**المستدرک مع التلخیص**:۲۵۰/۵، ح:۸۱۱۳، طبع قدیمی کتب خانہ]

اب سوائے اس کے کیا کہیں گے کہ میزان میں امام ذہبی سے ذہول اور غلطی ہوگئی ہے؟

رہا یہ کہ امام ذہبی نے اِس روایت کو میزان میں منکر کہا ہے؟ تو اِس بارے میں میزان پر لسان المیزان لکھنے والے علامہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے پوچھتے ہیں کہ کیا واقعی یہ حدیث مُنکَر ہے؟

تو علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (مُنکَر نہیں ہے) صحیح حدیث ہے، اُس کے راوی ثقہ ہیں۔ دیکھیں [فتح الباری بشرح صحیح البخاری: ۱۲۸/۷، ط دار الفکر]

رہا قصیدہ نونیہ میں علامہ ابن القیّم کا اِس کو مُنکَر کہنا؟ تو یہ اُن کی تحقیق ہے، مگر یہ بھی سند سے متعلق ہے، متن اور مضمون سے متعلق نہیں ہے، علامہ ابن القیّم رحمہ اللہ کے نزدیک اُس کا مضمون صحیح ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"وتعلق بہ بحیث یصلی فی قبرہ ویرد سلام من سلّم علیہ وھی فی الرفیق الاعلیٰ (الروح ص ۶۴) روح کا رفیق اعلیٰ میں ہوتے ہوئے جسم کے ساتھ اس طرح تعلق ہے کہ قبر میں نماز بھی پڑھتے ہیں اور جو سلام کرے اُس کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔

اور امام ابن القیّم نے قبر میں تلاوت قرآن ہونے کو تسلیم کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔

[الروح: ۱۱۱، ۱۱۲]

علامہ ابن القیم اپنے استاذ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے پیچھے پیچھے چلتے تھے، اُن کے استاذ فرماتے ہیں:

وبعد الموت لیس مکلفا بل مایفعلہ من ذکر اللہ تعالی ودعاء ونحو ذالک کما ان موسی یصلی فی قبرہ وکما صلی الانبیاء خلف النبی ﷺ لیلۃ المعراج ببیت المقدس وتسبیح اھل الجنۃ والملائکۃ فھم یتمتعون بذالک وھم یفعلون ذالک بحسب مایسرہ اللہ لھم ویقدرہ لھم لیس ھو من باب التکلیف الذی یمتحن بہ العباد.

[**قاعدۃ جلیلۃ**:۳۲۱، **مجموع الفتاوی**:۳۵۴/۱]

موت کے بعد آدمی مکلّف نہیں ہوتا، بلکہ جو ذکر دعاء وغیرہ کرتا ہے، جیسے موسیٰ علیہ السلام قبر میں نماز پڑھتے ہیں، اور جیسے معراج کی رات بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام نے حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، اور اہلِ جنت اور فرشتے تسبیح پڑھتے ہیں، تو وہ اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں، اور جس قدر اللہ تعالیٰ اُن کے لئے پسند کرتا ہے اور اُن کے لئے مقدّر کرتا ہے یہ اعمال کرتے ہیں، اور یہ تکلیف کے باب میں سے نہیں جس کے ساتھ بندوں کا امتحان کیا جاتا ہے۔

اور فرماتے ہیں: **والانبیاء احیاء فی قبورھم وقد یصلون۔** [**المستدرک علی مجموع الفتاوی:** ۱/۱۰۱] انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اور تحقیق نماز پڑھتے ہیں۔

بہرحال نبی کریم ﷺ کی حدیث "**الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون**" صحیح ثابت ہے (محقق صاحب کی یہ تحقیق درست نہیں ہے۔) دیکھیے [مجمع الزوائد: ۳۸۶/۸، اعلاء السنن: ۳۶۰۴/۷ طبع دارالفکر، وفاء الوفا: ۱۷۹/۴، القول البدیع: ۱۷۲، فتح الباری: ۱۲۸/۷، مدارج النبوۃ: ۲/ ۵۷۵، اوجز المسالک: ۲۶۲/۲، مرقات: ۴۱۵/۳، فیض الباری: ۶۴/۲، الحاوی للفتاوی: ۱۶۳/۲، الجامع الصغیر، ح: ۳۰۸۹، فیض القدیر: ۲۳۷/۳، وغیرہ]

البتہ موقوف روایت کی سند کمزور ہے:

مؤمل بن اسماعیل قرشی:

اب رہا موقوف روایت کا راوی مؤمل بن اسماعیل قرشی! تو بہت سے محدثین نے اس کی توثیق کی ہے، ابن معین کہتے ہیں: ثقہ ہے۔ ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا، اور کہا کہ: اس نے کبھی کبھی غلطی کی ہے۔ اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں: ثقہ ہے۔ ابوداؤد نے اُس کو عظیم الشان ورفیع الشان بتایا اور فرمایا: کسی نہ کسی چیز میں وہم میں پڑ جاتا ہے۔ سلیمان بن حرب اُس کی اچھی تعریف کرتے ہیں، البتہ امام ساجی نے سچا کہنے کے ساتھ بہت غلطی کرنے والا، اور ابن سعد اور دارقطنی نے ثقہ کہنے کے ساتھ بہت غلطی کرنے والا کہا ہے، ایسے ہی ابن قانع نے کہا صالح ہے لیکن غلطی کر لیتا ہے، ابوحاتم نے کہا سچا ہے، سخت سنی ہے، بہت غلطی کرتا ہے، بخاری نے منکر الحدیث کہا ہے۔ [تہذیب التہذیب: ۲۶۰/۷] مگر یہ جو محدثین نے فرمایا کہ بہت غلطیاں کرتا ہے، اس سے مراد زیادہ تر سند کی غلطیاں ہیں، یہ غلطی مراد ہونا کتبِ اسماء الرجال سے صاف واضح ہے، ایسی غلطی سے متنِ حدیث پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اور ہمارا مستدل تو متنِ حدیث ہے، کئی محدثین کی تصریح کے مطابق مؤمل بن اسماعیل حسن الحدیث ہے، علامہ شعیب الارنؤوط مسند احمد پر اپنی تحقیق میں فرماتے ہیں: **وحدیثہ حسن فی الشواھد۔ [مسند احمد حاشیۃ: ۶ /۱۸]** اس کی حدیث شواہد میں حسن ہوتی ہے۔ امام ترمذی مؤمل بن اسماعیل سے مروی حدیث کو حسن کہتے ہیں: [ترمذی، ح: ۳۲۶۶] امام حاکم مؤمل کی حدیث کو صحیح کہتے ہیں۔ [**المستدرک**، ح: ۱۱۵۷، ۱۲۲۹، ۱۳۹۸، ۱۴۱۸، وغیرہ] ابن قطان مؤمل کی سند کو حسن کہتے ہیں۔ [نصب الرایۃ: ۱۸۰/۳] امام احمد بن ابی بکر بوصیری بھی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔ [مصباح الزجاجۃ: ۱۲۴/۲] قاضی محمد بن علی شوکانی بھی سند کو حسن کہتے ہیں۔ [نیل الاوطار: ۱۶۴/۶] اور اگر اُن کی کمزوری مانی جائے تو زیادہ سے زیادہ جس مضمون کو نقل کرنے میں اکیلے ہوں اُس میں توقف کیا جائے گا، نہ کہ بالکلیہ رد کر دیا جائے گا۔

عبید اللہ بن ابی حمید ہذلی:

البتہ اس موقوف روایت کا راوی عبید اللہ بن ابی حمید ہذلی ضعیف ہے، مگر اُس کے ضعف کے سبب یہ موقوف حدیث صرف ضعیف ٹھہرتی ہے، من گھڑت اور بے اصل قرار نہیں دی جا سکتی۔

امام نسائی کی وفات کا سبب:

امام حاکم رحمہ اللہ نے محمد بن اسحاق بن مندہ اصبہانی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ میں نے مصر میں اپنے اساتذہ سے سُنا کہ (حاصل واقعہ) امام نسائی نے آخر عمر میں مصر کو الوداع کہا اور دمشق چلے گئے، وہاں کے لوگوں نے اُن سے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے فضائل کے بارے میں پوچھا تو امام نسائی نے فرمایا: کیا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اِس پر راضی نہیں کہ اُن کا معاملہ برابر سرابر ہو جائے کہ اُنہیں فضیلت دی جائے، تو وہاں کے لوگ اُنہیں سینے پر یا خصیوں پر مارنے شروع ہوئے حتی کہ اُنہیں مسجد سے نکالا گیا اور پھر اٹھا کر رملہ لے جایا گیا جہاں سنہ ۳۰۳ھ کو وفات پائی، مکہ مکرمہ (صفا و مروہ کے درمیان: [تذکرۃ الحفاظ]) میں مدفون ہیں۔ [معرفۃ علوم الحدیث]

محقق سراج الاسلام صاحب فرماتے ہیں کہ: اس روایت کا سارا دارومدار **مشائخنا** پر ہے، جن میں سے کسی کا نام بھی مذکور نہیں، اس لئے یہ روایت رُوات کے مجہول ہونے کی وجہ سے مردود اور نا قابل استدلال ہوئی، اور امام نسائی کی طرف یہ واقعہ محض زیب داستان ہے اور بس۔ [۵۲/ بے اصل کہانیاں: ۳۹]

اگر محقق صاحب مزید تحقیق کرتے تو اُنہیں امام ذہبی کی تاریخ الاسلام وغیرہ میں یہ بات نظر آ جاتی کہ امام ابن مندہ رحمہ اللہ نے اپنے جن اساتذہ سے یہ واقعہ نقل فرمایا ہے، اُن میں سے ایک نام حمزہ مصری کا ہے، یہ حمزہ بن محمد بن علی بن العباس ابو القاسم کنانی مصری ہیں، جو امام نسائی کے شاگرد اور امام ابن مندہ اور دار قطنی وغیرہما کے استاذ ہیں، حافظ ثقہ، ثبت، صالح دیانتدار، پرہیز گار ہیں، لہٰذا واقعہ صحیح ہے، ملک شام میں خوارج پیدا ہو گئے تھے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان گراتے تھے، اور حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بڑھاتے تھے، امام نسائی رحمہ اللہ نے اِسی لئے **"خصائص علی رضی اللہ عنہ"** کتاب لکھی تھی، اور اِسی کے نتیجہ میں کئی کتابوں میں امام نسائی کا تشیّع ذکر ہوا ہے، اہلِ شام نے اُن کو شیعہ مشہور کر دیا، جس سے امام نسائی کی ذات صاف ہے، خوارج حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرنے والوں کو شیعہ کہہ دیتے تھے، امام حاکم کا تشیّع کا بھی اِسی قسم کے پروپیگنڈہ کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔

نابینا صحابی آنے پر حضور ﷺ کا ازواج مطہرات کو پردہ کا حکم:

"ایک روز سیدہ ام سلمہ اور سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہما دونوں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھیں، اچانک

سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم نابینا صحابہ آ گئے ،۔۔۔رسول اللہ ﷺ نے ہم دونوں کو حکم دیا کہ اُن سے پردہ کرو،ام سلمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ! وہ تو نابینا ہیں نہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں ،نہ پہچان سکتے ہیں ،نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم تو نابینا نہیں ہو،تم تو اُن کو دیکھ رہی ہو۔

محقق صاحب اس واقعہ کو ابوداؤد، ترمذی، مسند احمد، ابن حبان،نسائی سے نقل کرکے صرف امام قرطبی پر اعتماد کرکے لکھتے ہیں کہ: یہ حدیث صحیح نہیں۔[۵۲/ بے اصل و اساس کہانیاں:۱۷۴]

کیوں صحیح نہیں؟اس لئے کہ اِس کا راوی نبہان مولی ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہے،ابن حزم نے کہا کہ یہ مجہول ہے۔

جواب :خود محقق کو معلوم ہے کہ اِس راوی کو مجہول کہنے میں ابن حزم اکیلا ہے،اور ابن حزم کے نزدیک تو صحاح ستہ میں سے ترمذی وغیرہ جیسے محدثین بھی مجہول ہیں ،اور ابن حزم کے مقابلہ میں علامہ ذہبی کاشف میں فرماتے ہیں کہ: یہ ثقہ راوی ہے،اور علامہ ابن حجر تقریب التہذیب میں فرماتے ہیں:مقبول راوی ہے۔اور ابن حبان نے بھی اِس کو ثقات میں درج کیا ہے۔امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ کبیر وغیرہ میں نبہان کا ذکر کرتے ہوئے جرح سے بالکل سکوت کیا،اور فرمایا کہ نبہان نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے حدیث سنی ہے،امام مسلم نے بھی الکنی میں ذکر کرتے ہوئے جرح سے بالکل سکوت کیا،امام ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں ذکر کرتے ہوئے جرح سے سکوت کیا۔

تو پھر جہالت ختم ہوگئی،خصوصاً جب نبہان سے دوراوی روایت کرنے والے ہیں ایک امام زہری، دوسرے محمد بن عبدالرحمٰن مولی طلحہ،تو محدثین میں سے کئی حضرات فرماتے ہیں:مستور سے دو ثقہ راوی روایت کرنے والے ہوں تو اُس کی جہالت ختم ہوجاتی ہے، یہاں تو صرف دوراوی روایت کرنے والے نہیں ،محدثین بھی ثقہ اور مقبول کہہ رہے ہیں،اور پھر بالاتفاق تابعین میں سے ہے،ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں،اور تابعین کی تعریف حضور ﷺ نے کی ،تو جب تک جرح ثابت نہیں ہوگی تب تک یہ ثقہ رہے گا اکیلے ابن حزم کا قول ہرگز معتبر نہیں ہے،آخر کس اصول پر اکیلے ابن حزم کے قول کے سہارے پر اِس بیچارے کی جہالت ختم نہیں ہوتی؟

اس لئے امام ترمذی نے اِس حدیث کو حسن صحیح فرمایا ہے،اور امام ابن حبان کے نزدیک بھی صحیح ہے، کیوں کہ اُنہوں نے اپنی صحیح میں وہی روایات لی ہیں جو اُن کے نزدیک صحیح ہیں،امام ابن الملقن سراج الدین شافعی مصری رحمہ اللہ بھی اس حدیث کو صحیح اور نبہان کو ثقہ مانتے ہیں۔[**تحفة المحتاج الی ادلة المنهاج**:۳۵۹/۲ح:۱۴۱۸،**التوضیح لشرح الجامع الصحیح** :۱۴۰/۲۵]علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اِس کی سند قوی ہے۔[**فتح الباری باب نظر المرأة الی الحبشة**

ونحوهم] علامہ احمد بن ابی بکر خطیب قسطلانی شافعی بھی یہی فرمارہے ہیں۔**[ارشاد الساری باب نظر المرأة الى الحبشة ونحوهم]** امام نووی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں: **وهذا الحديث حديث حسن** یہ حسن حدیث ہے۔**[نووی شرح مسلم باب المطلقة البائن لانفقة لها]**

اِس واقعہ کی تائید قرآن مجید کی آیت میں ہے **وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ** مؤمنہ عورتوں کوفرمادو اپنی نگاہیں نیچی کردیا کریں، یعنی مسلمان عورت بھی غیر محرم اجنبی مرد کو نہ دیکھے جیسے مرد اجنبی عورت کو نہ دیکھے، خصوصًا جب فتنہ کا خطرہ ہو تو عورت کا غیر محرم مرد کو دیکھنا حرام ہے، لہٰذا محقق صاحب کی تحقیق غلط اور غیر معتبر ہے۔

ایسی بعض روایات اور واقعات جو ضعیف سندوں سے منقول ہیں چاہے شدید ضعیف ہوں، لیکن موضوع (من گھڑت) ہونے کے حکم میں نہیں آسکتے، محقق صاحب اُن کو بیان کرنے سے بالکلیہ منع کرتے ہیں چاہے اُن میں ترغیب وترہیب اور عبرت کی باتیں ہوں، یہ بات اصولِ حدیث کے لحاظ سے بے اصل و بے اصول ہے۔

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

واهل العلم يتساهلون فى الفضائل فيروونها عن كل وانمايتشددون فى احاديث الاحكام (جامع بيان العلم) علماء فضائل میں نرمی فرماتے ہیں، اور سب ضعیف قسم راویوں سے (جو جھوٹ نہ بولیں، حدیث گھڑنے والے نہ ہوں) روایت لے لیتے ہیں، لیکن احکام کی احادیث میں سختی کرتے ہیں۔

امام نووی اور سخاوی رحمہما اللہ فرماتے ہیں:

يجوزويستحب العمل فى الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف مالم يكن موضوعاً.[الاذكار:۷،القول البديع :۲۵۵] فضائل میں اور ترغیب وترہیب میں ضعیف حدیث پر جب تک من گھڑت نہ ہو عمل جائز اور مستحب ہے.

ان العلماء جوزواالتساهل فى الاسانيدالضعيفة ورواية ماسوى الموضوع من الضعيف وكذاالعمل به من غيربيان ضعفه فى الوعظ اى النصح والتذكيربالعواقب اوفى فضائل الاعمال وكذاالقصص وسائرفنون الترغيب والترهيب ممالاتعلق له بالعقائد والاحكام.[شرح الاثيوبى على الفية السيوطى فى الحديث:۳۱۸/۱]

علماء نے ضعیف سندوں میں اور ضعیف روایت جو موضوع نہ ہو اُس کی روایت کرنے میں ایسے ہی اُس کی کمزوری بیان کئے بغیر اُس پر عمل کرنے میں نرمی برتنے کو جائز بتایا ہے، (لیکن اس وقت) جب وعظ

ونصیحت اور انجام سمجھانے سے متعلق ہو یا فضائل اعمال سے متعلق ہو، ایسے ہی جب واقعات اور ہر طرح کی ترغیب وترہیب کے مضامین میں سے ہو،لیکن اُس کا عقائد واحکام سے تعلق نہ ہو۔

وروایة ماسوی الموضوع من انواع الضعیف من غیر اهتمام ببیان ضعفها،ویجوزالعمل بهافیماسوی صفات الله واحکام الشرع من الحلال والحرام وغیرهما،وذالک کالمواعظ والقصص وفضائل الاعمال وسائرفنون الترغیب والترهیب ومالاتعلق له بالاحکام والعقائد.[ارشادطلاب الحقائق للنووی:۱/۲۷۰]

جوضعیف کی اقسام سے ہو من گھڑت نہ ہواُس کی کمزوری کے بیان کا اہتمام کئے بغیر نقل کرنا جائز ہے، ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی صفات اور احکامِ شریعت یعنی حلال وحرام وغیرہ کے سوامیں اُس پر عمل بھی جائز ہے مثلاً: وعظ، واقعات، اور فضائلِ اعمال اور ترغیب وترہیب کی سب صورتوں میں اور جن کا تعلق احکام وعقائد سے نہ ہو۔(ان میں ضعیف پر عمل اور اُس کو بیان کرنا جائز ہے۔)

البتہ جو من گھڑت ہواُس کا من گھڑت ہونا بیان کئے بغیر لوگوں کو بیان کر دینا ناجائز ہے۔فقط!

یہ چند باتیں جناب ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف صاحب کی تحقیق کی درست نہیں لگیں،اس لئے اِن کو درج کر دیا ہے،رَبَّنَاتَقَبَّلْ مِنَّا. مجیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ......۲۹/ذی الحجہ سنہ ۱۴۴۰ھ

[قارئین کی ڈاک......صفحہ نمبر 91 کا بقیہ]

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کی تصدیق وتائید:

''تصدیق کی جاتی ہے کہ مذکورہ جواب بالکل صحیح ہے۔شیعہ اثناعشریہ کے جوعقائد ان کی کتابوں میں ملتے ہیں، وہ اپنے عقائد باطلہ کی بنیاد پر کافر ومرتد ہیں۔ان سے مذکورہ تعلقات اور مراسم اسلام رکھنا جائز نہیں۔فقط واللہ اعلم۔''

المصدق:(مفتی) حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ رئیس دارالافتاء: دارالعلوم دیوبند(ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

شیخ الحدیث مولانا منیر احمد منور مدظلہم [جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑپکا] کی تائید:

''شرعی اصطلاح کے مطابق جو شخص اور جو جماعت عقائد کفریہ رکھتی ہو اور دعویٰ اسلام کرتی ہو وہ زندیق ہے، اس تعریف کے پیش نظر شیعہ زندیق ہیں اور زندیق کے احکام مرتد سے بھی سخت ہیں، اس لیے بندہ اس فتویٰ کے ساتھ حرف بحرف متفق ہے۔اور ہم حضرت مولانا علی شیر حیدری مدظلہ کے شکرگزار ہیں۔اور دعاگو ہیں کہ انھوں نے جماعتِ حقہ کی صحیح ترجمانی کی ہے اور فرض کفایہ ادا کیا ہے۔''منیر احمد منور

[فتویٰ امام اہل سنت مع تائید علماء اہل سنت]

والسلام......محمد الیاس جھنگوی......۸/جنوری ۲۰۲۰ء

قارئین کی ڈاک

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ   مزاج شریف؟   بعدہ!

۱)......الحمدللہ اِس مرتبہ کے صفدر (جنوری، فروری ۲۰۲۰ء) سے بندہ کو بہت فائدہ ہوا۔ شیعہ مرکز میں مولانا زاہدالراشدی صاحب نے جو نماز کی امامت کرائی، اس پر پوری امت مسلمہ صدمہ سے دوچار ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں، بلکہ انتہائی خطرناک بات ہے کہ مولانا زاہدالراشدی صاحب نے اُن لوگوں کی امامت کو قبول کیا جو دنیا کے کئی ممالک کے مختلف مسالک کے جید علماء کے نزدیک کافر ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے اِس سلسلے میں نمایاں خدمات سرانجام دینے والوں میں مناظر اسلام حضرت مولانا علامہ محمد عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ، قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ اور امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ شامل ہیں۔ ان جیسے بیسیوں اکابر کی ارواح کو کس قدر صدمہ ہوا ہوگا، ناقابل بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ آپ نے اس پر آواز اُٹھائی۔

۲)......آپ نے ''حسین یادیں'' نامی کسی کتاب کے حوالے سے حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ کا بیان کردہ واقعہ لکھا ہے، جس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ نے عدالت میں ثابت کیا کہ: اہل تشیع نماز کے بعد خلفاء ثلاثہ پر لعنت کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ''تاریخی دستاویز'' میں شیعوں کے مستند عالم ملا باقر مجلسی کی کتاب ''عین الحیوۃ'' کا حوالہ اور اس کا عکس موجود ہے: عبارت ملاحظہ ہو!

"یجب اللعنة علی أبی بکر و عمر و عثمان و معاویة و عائشة و حفصة والهندا و ام الحکم فی الصلوة ."[عین الحیوة:۵۸۹] نماز میں ابوبکر وعمر وعثمان ومعاویہ وعائشہ وحفصہ، ہندہ، ام الحکم پر لعنت ضروری ہے۔'' [تاریخی دستاویز:۵۳۸]

۳)......نیز آپ نے اہل تشیع کے زندیق ہونے کے حوالے سے حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت سہارنپوری رحمہما اللہ وغیرہ کا فتویٰ نقل فرمایا ہے، اس سے یاد آیا کہ: حضرت مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید رحمہ اللہ نے بھی اس حوالے سے ایک مختصر فتویٰ جاری فرمایا تھا، دارالعلوم دیوبند سمیت ہندوستان و پاکستان کے جید علماء و مشائخ کی تائیدات بھی اس فتوے پر ثبت ہیں، جو ''فتویٰ امام اہل سنت مع تائید علماء اہل

سنت'' کے نام سے طبع شدہ ہے۔ قارئین ''صفدر'' کے لیے پیش خدمت ہے:

''**الاستفتاء**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان کرام اس مسئلے کے متعلق کہ شیعہ اثنا عشریہ کا شرعی حکم کیا ہے؟ ان کے ساتھ نکاح کرنا، اپنے شادی بیاہ میں انھیں شریک کرنا، دینی کاموں میں ان سے چندہ لینا، ان کا ذبیحہ کھانا، ان کا جنازہ پڑھانا، انھیں اپنے جنازوں میں شریک کرنا، انھیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا اور ان کے کسی مذہبی ادارے یا تنظیم کو دینی یا اسلامی ادارہ اور دینی یا اسلامی جماعت کہنا یا دینی جماعتوں اور دینی اداروں کے اتحاد میں شامل کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: جن علماء کو شیعہ کی حقیقت پوری طرح معلوم تھی وہ سب پہلے ہی سے ان کی تکفیر فرماتے تھے، جیسا کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا: "من لم یکفرھم لم یدر عقائدھم." [فیض الباری: ۱/۱۲۰] مگر خمینی انقلاب کے بعد جب سے ان کی کتب عام ہوئی ہیں اور ان کے عقائد ظاہر ہو چکے ہیں، اس کے بعد تو تمام علماء محققین کا شیعہ کی تکفیر پر اجماع اور اتفاق ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: امداد الفتاویٰ: ۵۸۴/۴۔ احسن الفتاویٰ: ۱/۱۰۶تا۷۳۔ نیز ''خمینی اور اثنا عشریہ کے متعلق علمائے کرام کا متفقہ فیصلہ'' جس فیصلے کو وکیل اہل سنت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ نے ''الفرقان'' کے خصوصی نمبر اور محقق العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ نے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے مجلّہ ماہنامہ ''بینات'' کے خصوصی نمبر کے طور پر شائع فرمایا تھا۔

اِس لیے شیعوں کے ساتھ سوال میں مذکورہ تمام تعلقات اور دیگر مراسم اسلامیہ رکھنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ بلکہ سب کچھ معلوم ہونے کے بعد ان کے مذہبی اداروں اور تنظیموں کو دینی و اسلامی کہنے سے اپنے ایمان کو خطرہ ہے۔ بالخصوص جبکہ شیعہ اِس قسم کے تعلقات سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں، اپنے غلط عقائد کی تبلیغ کرتے ہیں اور دوسروں کے سامنے ان تعلقات کو دلیل کے طور پر پیش کر کے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں۔ اور عوام الناس اس مسئلے کو ہلکا سمجھ کر ان سے مناکحت کے ذریعہ اور زنا، اور ان کا ذبیحہ کھا کر حرام خوری کے فتنہ میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ان سے تعلقات سے دین کو نقصان پہنچنے کا قوی اندیشہ ہے۔

نیز یہ لوگ نہ تو اہل کتاب ہیں، نہ ہی اپنے آپ کو غیر مسلم تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ ذمیوں کی طرح تعلق رکھا جائے اور ان کے حقوق کا تحفظ کیا جائے۔ بلکہ (یہ لوگ) قادیانیوں کی طرح زندیق اور حربی کفار کے حکم میں ہیں، جن کے ساتھ سماجی اور معاشرتی تعلقات رکھنا بھی جائز نہیں جو انسانی ہمدردی کی بنیاد پر رکھے جاتے ہیں۔

نیز ان سے استتابہ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ مذہب شیعہ میں کتمان وتقیہ واجب ہے۔ لہٰذا ان کی زبان کا اعتبار نہیں ہے۔ **ھذا ما ظھر لی فی ھذا الباب واللہ اعلم بالصواب**" خاکپائے اہل حق علی شیر حیدری عفی عنہ

[**بقیہ** صفحہ نمبر 89 پر]

مولانا عبدالجبار سلفی

تبصرہ وتعارف

کتاب کا نام: علمائے بنوری ٹاؤن کی تصنیفی وتالیفی خدمات مؤلف: مولانا سید محمد زین العابدین

صفحات: 792 ناشر: المنہل پبلشرز کراچی 0321-3135009

چند ماہ قبل شائع ہو کر علمی وتحقیقی حلقوں میں ماحول کو گل رنگ کرنے والی کتابوں میں سے ایک متذکرہ کتاب بھی ہے جس میں وطن عزیز کے ایک قدیمی اور مقتدر ادارہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی سے متعلقہ علماء ومشائخ کی تصنیفی، تالیفی اور اشاعتی خدامت کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ فاضل مؤلف نے اپنی بساط کی حد تک خاصی محنت اٹھائی ہے اور یہ خوبصورت کتاب ترتیب دے کر اہل ذوق کو علمی غذا مہیا کر دی ہے۔ کتاب ہذا میں کم وبیش ۴۰ر اہل علم وقلم کے کچھ حالات اور ان کی اشاعتی خدمات کا تعارف قلمبند کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں لاتعداد عربی واردو ضخیم کتابوں کے ساتھ کتابچوں، رسالوں اور پمفلٹوں کا تریب وار تعارف پیش کیا گیا ہے اور بعض مقامات پر کتابوں کی تصنیف کا تاریخی پس منظر درج کر کے کتاب ہذا کی علمی و معلوماتی ساکھ بڑھادی گئی ہے۔

کیونکہ آنے والے وقتوں میں اس قسم کی عبارتیں جب ''حوالہ'' کا روپ دھارتی ہیں تو عبارت سے کتاب، کتاب سے مصنف اور پھر مصنف کے نام سے ان کا علمی وتعلیمی سلسلہ عظمتوں کے ہار وصول کرتا ہے اور یہ قبولیت ومقبولیت کی دلیل ہوا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت مولانا علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ کی عربی تصنیف ”الأستاذ المودودی وشیء من حیاته وأفکاره“ کے متعلق لکھا گیا ہے یہ دراصل شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کی کتاب ''فتنۂ مودودیت'' کے عربی ترجمہ کا مقدمہ ہے۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ سے جب کتاب ''فتنۂ مودودیت'' کا عربی ترجمہ کرنے کی خواہش ظاہر کی گئی تو انہوں نے مذکورہ کتاب کی تعریب کی ذمہ داری حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مدظلہم کے سپرد کر دی، چنانچہ اس پر علامہ بنوریؒ نے عربی ہی میں ایک جاندار مقدمہ لکھا جو مستقل کتابچہ کی صورت میں ''الاستاذ المودودی'' کے نام سے طبع ہوا۔

البتہ اس امر کی تشنگی اَبھی باقی ہے کہ اصل کتاب کی تعریب کا کیا ہوا؟ وہ مکمل ہے یا نامکمل؟ غیر مطبوعہ مسودہ محفوظ ہے یا غیر محفوظ؟ اور مسودہ منتظر طباعت ہے یا اَب ہمیشہ کے لیے غار کی نذر ہو چکا؟ علاوہ ازیں اِس معلوماتی شذرہ کو پڑھ کر کوئی بھی آنے والا صاحبِ ذوق وتحقیق اِس بات کی ٹوہ بھی لگا سکتا ہے کہ

''فتنہ مودودیت'' کتاب اصلاً کس کے قلم سے اور کن حالات میں لکھی گئی تھی، اور اس کے نام پر کن بزرگوں نے اختلاف کیا تھا؟ ان تمام تر متوقع وممکنہ تاریخی حقائق کے طشت ازبام کرنے میں بنیادی سبب یقیناً اِس (زیرتبصرہ) کتاب کی مذکورہ عبارت قرار پائے گی اور یہی ایک اچھے مصنف یا اچھی تصنیف کی پہچان ہوتی ہے کہ جو اپنے محقق قاری کو اگلی منزل کا نشان دے دے۔

علاوہ ازیں اُس زمانہ میں ایک اور کتاب قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ نے بھی "الشقیقان الخمینی والمودودی" شائع کروائی تھی جو اردو میں ''دو بھائی'' کے عنوان سے اِس قدر شائع ہوئی کہ آج بھی شاید ہی کوئی لائبریری اس سے محروم ہو۔ یہ کتاب قائد اہل سنتؒ نے راولپنڈی کے مولانا پیر عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب[1] کے ذریعے عالم عرب میں تقسیم کروائی تھی اور اُس دور میں عربوں کے ہاں علامہ بنوریؒ کی ''الاستاذ المودودی'' اور قائد اہل سنت کے زیرنگرانی چھپنے والی "الشـقیقـان" بکثرت دیکھی جاتی تھی، بہرکیف یہ بھی ایک مستقل اور دلچسپ قضیہ ہے۔

تاہم زیرتبصرہ کتاب میں فاضل مؤلف نے بعض اہم شخصیات کے ذاتی وشخصی تعارف میں اِس قدر اختصار پیش نظر رکھا کہ شخصیت، اختصار کے پھونک سے ہی اُڑ کر رہ گئی ہے۔ ایسا بروقت معلومات نہ ملنے کی بنا پر ہوا یا کسی مصلحت کی وجہ سے؟ اِس کی وضاحت تو خود مؤلف ہی کر سکتے ہیں۔ تاہم کتاب کی اہمیت و علمی وقار کو ملحوظ رکھتے ہوئے مبصر کی رائے میں یہ بہت بڑی کمی ہے، جو رہ گئی ہے۔

مثال کے طور پر حضرت مولانا محمد اسحٰق سندیلوی مرحوم کی شخصیت اور ان کی کتاب ''اظہارِ حقیقت'' پاکستان میں ایک خاص اختلافی اور علمی تعبیری تصادم میں اپنا جدا مقام رکھتی ہے، مگر کتاب ہٰذا میں مولانا مرحوم کی ذات اور انکی متذکرہ کتاب پر تبصرہ اِس قدر کم ہے کہ گویا نہ ہونے کے برابر ہے۔ مولانا محمد اسحٰق سندیلوی رَدِرفض پر بہت مؤثر کام کرنے کا نہ صرف جذبہ بلکہ علمی وخداداد دیگر صلاحیتوں سے بھی مالا مال تھے، قائد اہل سنتؒ نے اپنی کتاب ''بشارت الدارین'' میں مولانا مرحوم کا مسرت کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔ اور ان بزرگوں کا باہمی اعتماد بھی مضبوط تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا سندیلوی کی مذکورہ کتاب کی تعریف خود علامہ بنوریؒ نے ''الاستاذ

---

[1] مولانا ہزاروی سے حضرت قائد اہل سنتؒ کا گہرا تعلق رہا ہے، لیکن جب مولانا ہزاروی نے اکابر دیوبند کی بعض تحقیقات پر اعتماد سے کنارہ کشی کی تو حضرتؒ نے بھی سمجھانے کے بعد مجبوراً کنارہ کشی فرمالی، حضرتؒ لکھتے ہیں:

''مولانا عزیز الرحمٰن صاحب موصوف سے تعلق زیادہ رہا ہے۔ آپ عصری فتنوں کے خلاف ہیں اور مجاہدانہ مزاج رکھتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ حضرت صوفی محمد اقبال صاحب کے زیر اثر آہستہ آہستہ دیوبندی تحقیقی مسلک سے ہٹتے جا رہے ہیں۔'' [تحفظ عقائد: ۳۸۵]

المودودی‘‘ میں کی ہے اور دیگر معاصرین اکابرین نے بھی کتاب کے تسلسلِ مضامین، تبحرعلمی، اُردو ادبیت اور استدلال واستنباط کو ملاحظہ کر کے تعریفوں کے پل باندھ دیئے تھے، مگر قائد اہل سنتؒ نے اسی خطرے کو بھانپ لیا تھا کہ کراچی میں رہتے ہوئے ردِ شیعیت پر کام کرنے والے اہل علم پر کسی نہ کسی درجہ میں محمود احمد عباسی کا سایہ پڑ جاتا ہے۔ اور وہ نادانستہ ہی سہی اس کی فکر مردہ کے ترجمان بن جاتے ہیں، چنانچہ یہ خدشہ درست ثابت ہوا۔ کیونکہ کراچی میں مولانا محمد طاہر المکی صاحب وغیرہ مولانا سندیلوی کی طبعی سادگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں عباسی حلقوں میں اپنا بندہ بنا کر پیش کرتے رہے، پھر مولانا سندیلوی نے جب بنوری ٹاؤن سے استعفیٰ دیا تو یہی طاہر المکی انہی اپنے ادارہ مدینۃ العلوم میں بطور صدر مفتی لے گئے اور وہیں پہ ان کا انتقال ہوا، یاسین آباد کے قبرستان میں ۲۳ر اکتوبر ۱۹۹۵ء کو تدفین عمل میں آئی، اور نماز جنازہ حضرت بنوریؒ کے داماد مولانا محمد طاسین نے پڑھائی۔

مولانا سندیلوی کی کتاب ’’اظہارِ حقیقت‘‘ پر نقد کرتے ہوئے قائد اہل سنتؒ نے ایک ضخیم کتاب ’’خارجی فتنہ‘‘ لکھی، جس کی پہلی جلد مکمل اسی موضوع پر ہے، کیونکہ مولانا مودودی کی کتاب ’’خلافت و ملوکیت‘‘ کے رد میں منصۂ شہود پر آنے والی دو بہترین کتابیں' افسوس کہ اپنی بے اعتدالی کی وجہ سے اہل السنۃ والجماعۃ کے جمہور علماء کی فکر ونظر کی ترجمان نہ بن سکیں، ایک مولانا محمد اسحاق سندیلوی کی ’’اظہارِ حقیقت‘‘ اور دوسری مولانا سید لعل شاہ صاحب بخاری مرحوم کی ’’استخلافِ یزید‘‘۔ پھر مولانا لعل شاہ صاحب بخاری نے بھی سندیلوی صاحب کی کتاب کا رد ’’ایک بصیرت افروز تبصرہ‘‘ کے نام سے لکھ کر شائع کروایا۔ مگر بے اعتدالیاں مزید بے اعتدالیوں کو جنم دیتی چلی گئیں، حتی کہ مولانا سندیلوی مرحوم کے اکثر معتقدین ’’ناصبیت‘‘ کا شکار ہو گئے جبکہ مولانا لعل شاہ بخاری مرحوم کے رفقاء ’’رافضیت‘‘ کے خرمن باطل میں جا گھسے، جن میں ایک معروف نام کامرہ ضلع اٹک کے مہر حسین شاہ تھے جنہوں نے ’’سیاستِ معاویہ‘‘ نامی کتاب لکھ کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اِس قدر توہین کی کہ بدنام زمانہ رافضی مصنف آنجہانی غلام حسین نجفی اپنی غلیظ کتاب ’’خلافت معاویہ: بینڈ باجے سے خلافت تک‘‘ میں مہر حسین شاہ کی تعریف تک کر بیٹھا۔

ادھر قائد اہل سنتؒ نے جب ’’خارجی فتنہ‘‘ کتاب میں ان حضرات کی غیر ذمہ دارانہ عبارتوں پر گرفت کی تو ملتان کی احراری پارٹی کے یزیدی وِنگ نے مولانا عبدالغفور سیالکوٹی سے ’’سبائی فتنہ‘‘ نامی کتاب لکھوا ڈالی۔ قصہ کوتاہ کہ مولانا محمد اسحٰق سندیلوی کی کتاب کی اشاعت نے اپنے وقت میں نہ صرف جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن بلکہ ملک بھر میں ایک ہلچل مچا دی تھی، اب ان تمام تقابلی کتابوں اور ان پر ہونے والے تبصروں کو درج کیا جائے تو ایک مستقل کتاب وجود میں آسکتی ہے۔ تسلیم کہ اتنا کچھ زیر تبصرہ کتاب میں مندرج ہونا ممکن نہ تھا، مگر اس قدر اختصار بھی نہ ہونا چاہیے تھا۔

تاہم یہ اعتراف کیے بنا نہیں رہا جاسکتا کہ فاضل مرتب نے یہ کتاب لکھ کر صرف جامعہ علوم اسلامیہ کی علمی تاریخ ہی قلمبند نہیں کی بلکہ آئندہ اگر کوئی اس عنوان پر کام کرنا چاہے گا تو اسے ایک مربوط اور مضبوط بنیاد فراہم کردی ہے، یوں مذکورہ کتاب ایک لحاظ سے اپنا شمار اُن کتب میں کروا چکی ہے کہ جو مصادر اور منابع کی حیثیت رکھتی ہیں۔

یاد رہے کہ مولانا سندیلوی مرحوم کی اِس ضخیم کتاب کا پہلا ایڈیشن مختصر ''تجدیدِ سبائیت'' کے نام سے چھپا تھا۔ علاوہ ازیں بھی مولانا صدیقی سندیلوی مرحوم کے کچھ نظریات محلِ نظر یا کم ازکم ان کے رفقا کی جانب سے تشنۂ وضاحت ہیں۔ مثلاً: نزولِ مسیح علیہ السلام کے متعلق کچھ متفردانہ عبارات اُن کی کتاب ''دینی نفسیات'' میں، اور سیاست و اُمورِ سلطنت میں خواتین کے کردار کے جواز پر اُن کی تعبیرات ''اسلام کا سیاسی نظام'' میں پائی جاتی ہیں۔

اس کے علاوہ حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئیؒ کے تذکرہ اور ان کی اشاعتی خدمات کے تذکرہ میں بھی بنوری ٹاؤن کے موجودہ مزاق کو شاید پیشِ نظر رکھا گیا ہے، وگرنہ ''میرا مسلک و مشرب'' نامی مضمون بھی اپنے دامن میں کچھ حقائق رکھتا ہے، جس کی تفصیل نہ سہی تو کسی قدر تذکرہ ضرور ہوجانا چاہیے تھا، کیونکہ مصنف یا مؤلف پر تو موت آجاتی ہے، مگر کتاب علم اور تحقیق پر کبھی موت نہیں آتی، جب تک کہ قیامت کا ہمہ گیر زلزلہ نہ آجائے۔۔ اس لیے مستقبل کے طالبعلم کو ان حقائق سے نابلد رکھنا بھی نامناسب ہے۔

زیرِ تبصرہ جس میں ۴۰ رجید علمائے دین اور ایک باب میں اساتذہ کی مشترکہ دینی کاوشوں کا تعارفاً پیش کیا گیا ہے، حیران کن اور پر مسرت بات یہ کہ کم وبیش ۳۶۵ رکتابوں کے روح افزاء جھونکوں سے آپ مشامِ جاں نہال کرسکتے ہیں۔ اِس کے ساتھ ساتھ کتاب کا کاغذ نہایت اعلیٰ سفید لگایا گیا ہے، ہر ہر صفحے کے کونے پر سرخ گل کاری بھی اعلیٰ ذوق کی آئینہ دار ہے، مگر ہماری رائے میں تحقیقی کتابیں اِس قسم کے تکلفات سے مبرئی ہونی چاہییں۔ جلد بندی نہایت مضبوط ہے، کمپوزنگ نفیس اور اہم عنوانات لبوں پر سرخی سجائے ہوئے ہیں، ٹائٹل بہت ہی اچھا، مگر افسوس کہ کتاب کا نام طویل رکھ دیا گیا جو مکمل چار سطروں میں آنے کے باوجود بھی اپنی معنویت ظاہر نہیں کرسکا۔ اگر آئندہ ایڈیشن میں باہمی مشاورت کے ساتھ کتاب ہذا کا نام مختصر کردیا جائے تو اس کی زینت بڑھ جائے گی۔

اہلِ علم دیر نہ کریں اور اِس قیمتی کتاب سے مستفید و مستفیض ہوں۔ نہ صرف یہ کہ خود بلکہ متمول احباب سے گزارش کی جاتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اس کے نسخے خرید کر اہلِ علم میں تقسیم کریں، یہ علم کی خدمت ہے، اور علم کی خدمت کرنے والوں کو برکت و عزت اور ایمان وصحت کے حصول کے لیے بیساکھیوں کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔ عبدالجبار سلفی......۱۲ رفروری ۲۰۲۰ء......لاہور

شیخ الحدیث مولانا فضل الرحمٰن افضل دھرم کوٹی مدظلہم

نذرِ حقیر بخدمت مولانا قاری عبدالجلیل صاحب مرحوم ومغفور [1]

عزیز محترم عبدالجلیل اِک مردِ عاقل تھے
بڑے قاری تھے اور درسِ نظامی کے وہ فاضل تھے

مجھے اُن سے محبت تھی، مرے دِل میں وہ بستے تھے
مری آنکھوں کی رونق تھے مرے سانسوں میں شامل تھے

کسی بھی شعبدہ بازی کو وہ ہرگز نہ مانیں تھے
بزرگانِ دیوبند کے زبان و دِل سے قائل تھے

مرا دِل توڑ کر منہ موڑ کر عقبیٰ میں جا بیٹھے
بڑا صدمہ دیا اُن کو جو ان غمزوں کے گھائل تھے

حقوقِ بندگاں ہر حال میں وہ پورے کرتے تھے
مگر ان سب میں گھِر کر بھی خدا جانب وہ مائل تھے

وہ اپنے جیسے بندوں کا سوالی نہ بنے ہرگز
جو سب مخلوق کو ہے دے رہا وہ اس کے سائل تھے

خدا نے علمِ دیں علمِ شرائع خوب بخشا تھا
فنونِ انگلشیہ سے وہ بالکل ہی جاہل تھے

اے افضل! اس جہاں میں مشغلہ رکھنا ہے بے حاصل
وہ تھے نیکی کے پرچاری وہ بس نیکی کے فاعل تھے

---

[1] نام ونسب: مولانا قاری عبدالجلیل بن حاجی رشید احمد نقشبندی بن حاجی غلام محمد رحمہم اللہ

ولادت: ۱۳۷۷ھ ۱۹۵۸ء، بھائی پھیرو ضلع قصور۔

تعلیم: حفظ وتجوید: مدرسہ تجوید القرآن لاہور ۱۳۹۵ھ۔ صرف ونحو: مانکوٹ ۱۳۹۶۔ مناظرہ: مرکز تنظیم اہل سنت ملتان ۱۴۰۱۔ تکمیل: مدرسہ عربیہ انوریہ طاہروالی ۱۴۰۱ھ۔ دورۂ تفسیر: جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ ۱۴۰۲ھ۔ دورہ حدیث: جامعہ اشرفیہ لاہور ۱۴۰۳، سبعہ عشرہ: جامعہ مدنیہ لاہور ۱۴۰۴ھ۔

اساتذہ: مولانا سرفراز خان صفدر، مولانا مالک کاندھلوی، مولانا موسیٰ روحانی بازی، مولانا عبدالستار تونسوی، مولانا نورالحسن بخاری، مولانا منظور احمد نعمانی، مولانا صوفی محمد سرور، مولانا عبیداللہ اشرفی، مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی، مولانا اشرف شاد، مولانا قاری اظہار تھانوی رحمہم اللہ

اصلاحی تعلق: مولانا محمد انوری، حضرت سید علاء الدین شاہ گیلانی، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، حضرت سید انور حسین نفیس شاہ رحمہم اللہ، مولانا ناصر الدین خاکوانی مدظلہم

ازدواجی تعلق: حافظ حکیم شریف الدین کرنالوی رحمہ اللہ کی چھوٹی صاحبزادی سے ۱۹۸۴ء میں۔

اولاد: ۲ ر بیٹے مولانا محمد لاہوری، مولانا محمد رشیدی۔ ۳ ر بیٹیاں

وفات: ۲ ر جنوری ۲۰۲۰ء۔